مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰ روپے فی شمارہ ۱۲ روپے

پاکستان میں سالانہ ۳۰۰ روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر

بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحیٰی، شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع ماہ کے تیسرے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۲ ماہ شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۲۰۰۳ء عدد ۴

فہرست مضامین

شذرات

دی انسٹی ٹیوشن آف انجینئرس (انڈیا) کی علی گڑھ اکائی کے زیر اہتمام ۳۶ ویں انجینئرس ڈے کے موقع پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ویمنس پالی ٹیکنک میں ایک تقریب ہوئی، جس میں مقررین نے محنت، لگن اور قربانی کے جذبے سے انجینئرنگ خدمات انجام دینے پر زور دیا، ذاکر حسین کالج برائے انجینئرنگ اینڈ ٹکنالوجی کے پرنسپل پروفیسر مسلم تاج نے کہا کہ ہندوستان میں ایمان دار، محنتی اور قربانی کے جذبے سے کام کرنے والے انجینئرس کی کمی ہے، ایف آئی آر چیرمین پروفیسر ایس ایس عالم نے بتایا کہ ایک سروے کے مطابق بدعنوانی کے معاملے میں جنوبی افریقہ میں ہندوستان کو دوسرے مقام پر بتایا ہے، جو ہم سب کے لیے شرم کی بات ہے، اس کی وجہ سے ہی اخلاقی اقدار میں گراوٹ آرہی ہے، ایک سبک دوش انجینئر نے کہا کہ بدعنوانی کے اخلاقی اقدار میں بدل جانے کی وجہ سے ہی سماج کا استحصال ہورہا ہے۔

کرپشن، بدعنوانی اور اخلاقی پستی ملک کے صرف سرکاری اداروں، محکموں اور دفتروں ہی میں نہیں سرایت کرگئی ہے، جو پبلک کی راحت رسانی اور آسانی کے لیے قایم کیے گئے ہیں مگر اپنی لوٹ کھسوٹ، رشوت، نفع خوری اور استحصال کی بنا پر اس کی تکلیف اور پریشانی کا موجب ہوگئے ہیں، سب سے زیادہ تو عوام کے نمایندے اور ارباب سیاست بہتی گنگا میں ڈبکی لگارہے ہیں اور بہت سارے بکاؤ مال ہوگئے ہیں، وزرا اپنے کو قانون سے بھی بالاتر سمجھتے ہیں، پارٹیاں بدلنا معمول ہوگیا ہے، وہ بھی عوام کی بھلائی، ملک کے مفاد اور اصولی و نظریاتی اختلاف کے بجائے موقع پرستی، اپنے ذاتی مفاد، اقتدار کی ہوس، وزارت کی لالچ اور خطیر رقموں کے حصول کے لیے۔ مرکز کے حکمراں متحدہ محاذ میں شامل تمام جماعتوں نے نفع اندوزی اور اقتدار کا مزہ لوٹنے کے لیے اسی موقع پرستی کا ثبوت دیا ہے، پہلے اروناچل پردیش میں برسر اقتدار کانگریس پارٹی کے ممبروں نے بغاوت کرکے بی جے پی کی حکومت بنوادی تھی اور اب ملک کی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش میں بہوجن سماج پارٹی کے تقریباً ۴۰ ممبروں نے اس سے الگ ہوکر اس کی حکومت گرادی، یہ حکومت خود اپنے اصولوں کو قربان کرکے، خود غرضی، موقع پرستی اور بی جے پی سے گٹھ جوڑ کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی اور اس کی سربراہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کبھی ٹکٹوں کی تقسیم میں، کبھی اپنی سال گرہ اور پارٹی فنڈ کے نام پر اور کبھی تبادلوں کو کاروبار بنا کر دونوں ہاتھوں سے دولت کمارہی تھیں اور اب تاج کاریڈور معاملے میں بھی وہ قصوروار پائی گئی ہیں۔

جو جتنا بڑا ہے اس کا ہاتھ اتنا ہی لمبا ہے، اقتدار پاکر بی جے پی کے صاف ستھری اور خوف و دہشت سے پاک حکومت دینے اور اصول پسندی کا بھرم کھل گیا، اتر پردیش میں "دلت کی بیٹی" اسی کی سرپرستی میں ڈھٹائی سے من مانی کررہی تھی اور بی جے پی اپنے اصولوں کو خیر باد کہہ کر اس سے اور دوسری بے میل پارٹیوں سے سمجھوتا کرکے اقتدار کا لطف اٹھارہی تھی، اس کے دور حکومت کے گھٹالوں اور تہلکوں سے ملک دہل اٹھا، بدعنوانی، دہشت گردی اور اقلیتوں پر ظلم و زیادتی اور ناانصافی میں بہت اضافہ ہوا، گجرات جیسا بھیانک فساد ہوا جس میں ملک تو ملک بیرونی ملکوں میں بھی اس کی بدنامی ہوئی، اس کا معیار دوہرا ہے، اپنے لیے کچھ اور دوسروں کے لیے کچھ اور۔ سنگھ پریوار کی فرقہ واریت اور نفرت و اشتعال انگیزی سے اس کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی لیکن دوسروں پر پوٹا لگادیا جاتا ہے، متضاد باتیں کرنا تو اس کا شیوہ ہی ہے، اس کی پالیسی بھی متضاد ہے، اسرائیل سے بھی پینگ بڑھا رہی ہے اور عربوں اور فلسطینیوں کی محبت کا دم بھی بھر رہی ہے، بدعنوانیوں اور گھٹالوں میں ملوث وزرا کو وزارت سے علاحدہ بھی کیا جاتا ہے اور الزام سے بری ہونے سے پہلے ہی انہیں پھر وزارت بخش دی جاتی ہے، کیا یہ بے اصولی، موقع پرستی، سیاسی مصلحت، ملک کے مفاد کو نظر انداز کرنا اور ہر حال میں اقتدار سے چمٹے رہنا نہیں ہے۔

بی جے پی آمریت کی طرف بڑھ رہی ہے، خود مختار اور غیر جانب دار اداروں میں تعصب اور فرقہ واریت کا زہر گھول کر اور ان پر زعفرانی رنگ چڑھا کر ان سے من مانی کرانا چاہتی ہے اور عدالتوں پر بھی اثر انداز ہونا چاہتی ہے، اجودھیا کی بابری مسجد صدیوں پرانی ہے، اس کو پہلے تو متنازع بنا کر اس کی ملکیت کا جھگڑا کھڑا کیا گیا اور زور زبردستی سے اس پر قبضہ کرنا چاہا، اسی اثنا میں لال کرشن اڈوانی نے رتھ نکال کر ملک کی فضا خراب کی اور فرقہ وارانہ ماحول گرم کیا، اجودھیا میں کارسیوکوں کو جمع کرکے انہوں نے اور بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کے سرکردہ لیڈروں نے اپنی اشتعال انگیز تقریروں سے مسجد ہی مسمار کرادی، ابھی اس کی ملکیت کا جھگڑا طے بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے انہدام کا بھی قضیہ اٹھ کھڑا ہوا، اول الذکر معاملے میں عدالت کے حکم سے محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں کھدائی کا کام شروع ہوا اور ۵ ماہ میں مکمل ہوا، پہلے محکمہ نے تین رپورٹیں پیش کیں جن میں مندر کے وجود کا کوئی ذکر نہ تھا مگر آخری رپورٹ میں ڈرامائی انداز میں اس کی نشان دہی کی گئی ہے، یہ رپورٹ حقایق کے خلاف اور تضادات سے بھری ہونے کے علاوہ زعفرانی رنگ میں رنگی ہوئی ٹیم کی تیار کردہ ہے، اس لیے بجا طور

شذرات

دی انسٹی ٹیوشن آف انجینئرس (انڈیا) کی علی گڑھ اکائی کے زیر اہتمام ۳۶ ویں انجینئرس ڈے کے موقع پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ویمنس پالی ٹیکنک میں ایک تقریب ہوئی، جس میں مقررین نے محنت، لگن اور قربانی کے جذبے سے انجینئرنگ خدمات انجام دینے پر زور دیا، ذاکر حسین کالج برائے انجینئرنگ اینڈ ٹکنالوجی کے پرنسپل پروفیسر مسلم تاج نے کہا کہ ہندوستان میں ایمان دار، محنتی اور قربانی کے جذبے سے کام کرنے والے انجینئرس کی کمی ہے، ایف آئی آر چیرمین پروفیسر ایس ایس عالم نے بتایا کہ ایک سروے کے مطابق بدعنوانی کے معاملے میں جنوبی افریقہ میں ہندوستان کو دوسرے مقام پر بتایا ہے، جو ہم سب کے لیے شرم کی بات ہے، اس کی وجہ سے ہی اخلاقی اقدار میں گراوٹ آرہی ہے، ایک سبک دوش انجینئر نے کہا کہ بدعنوانی کے اخلاقی اقدار میں بدل جانے کی وجہ سے ہی سماج کا استحصال ہورہا ہے۔

کرپشن، بدعنوانی اور اخلاقی پستی ملک کے صرف سرکاری اداروں، محکموں اور دفتروں ہی میں نہیں سرایت کرگئی ہے، جو پبلک کی راحت رسانی اور آسانی کے لیے قایم کیے گئے ہیں مگر اپنی لوٹ کھسوٹ، رشوت، نفع خوری اور استحصال کی بنا پر اس کی تکلیف اور پریشانی کا موجب ہوگئے ہیں، سب سے زیادہ تو عوام کے نمایندے اور ارباب سیاست بہتی گنگا میں ڈبکی لگارہے ہیں اور بہت سارے بکاؤ مال ہوگئے ہیں، وزرا اپنے کو قانون سے بھی بالاتر سمجھتے ہیں، پارٹیاں بدلنا معمول ہوگیا ہے، وہ بھی عوام کی بھلائی، ملک کے مفاد اور اصولی ونظریاتی اختلاف کے بجائے موقع پرستی، اپنے ذاتی مفاد، اقتدار کی ہوس، وزارت کی لالچ اور خطیر رقموں کے حصول کے لیے۔ مرکز کے حکمراں متحدہ محاذ میں شامل تمام جماعتوں نے نفع اندوزی اور اقتدار کا مزہ لوٹنے کے لیے اسی موقع پرستی کا ثبوت دیا ہے، پہلے اروناچل پردیش میں برسر اقتدار کانگریس پارٹی کے ممبروں نے بغاوت کرکے بی جے پی کی حکومت بنوادی تھی اور اب ملک کی سب سے بڑی ریاست اترپردیش میں بہوجن سماج پارٹی کے تقریباً ۴۰ ممبروں نے اس سے الگ ہوکر اس کی حکومت گرادی، یہ حکومت خود اپنے اصولوں کو قربان کرکے، خودغرضی، موقع پرستی اور بی جے پی سے گٹھ جوڑ کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی اور اس کی سربراہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کبھی ٹکٹوں کی تقسیم میں، کبھی اپنی سال گرہ اور پارٹی فنڈ کے نام پر اور بھی تبادلوں کو کاروبار بنا کر دونوں ہاتھوں سے دولت کمارہی تھیں اور اب تاج کاریڈور معاملے میں بھی وہ قصوروار پائی گئی ہیں۔

جو جتنا بڑا ہے اس کا ہاتھ اتنا ہی لمبا ہے، اقتدار پاکر بی جے پی کے صاف ستھری اور خوف ودہشت سے پاک حکومت دینے اور اصول پسندی کا بھرم کھل گیا، اترپردیش میں "دلت کی بیٹی" اسی کی سرپرستی میں ڈھٹائی سے من مانی کررہی تھی اور بی جے پی اپنے اصولوں کو خیرباد کہہ کر اس سے اور دوسری بے میل پارٹیوں سے سمجھوتا کرکے اقتدار کا لطف اٹھارہی تھی، اس کے دور حکومت کے گھٹالوں اور تہلکوں سے ملک دہل اٹھا، بدعنوانی، دہشت گردی اور اقلیتوں پر ظلم وزیادتی اور ناانصافی میں بہت اضافہ ہوا، گجرات جیسا بھیانک فساد ہوا جس میں ملک تو ملک بیرونی ملکوں میں بھی اس کی بدنامی ہوئی، اس کا معیار دوہرا ہے، اپنے لیے کچھ اور دوسروں کے لیے کچھ اور۔ سنگھ پریوار کی فرقہ واریت اور نفرت واشتعال انگیزی سے اس کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی لیکن دوسروں پر پوٹا لگادیا جاتا ہے، متضاد باتیں کرنا تو اس کا شیوہ ہی ہے، اس کی پالیسی بھی متضاد ہے، اسرائیل سے بھی پینگ بڑھا رہی ہے اور عربوں اور فلسطینیوں کی محبت کا دم بھی بھر رہی ہے، بدعنوانیوں اور گھٹالوں میں ملوث وزرا کو وزارت سے علاحدہ بھی کیا جاتا ہے اور الزام سے بری ہونے سے پہلے ہی انہیں پھر وزارت بخش دی جاتی ہے، کیا یہ بے اصولی، موقع پرستی، سیاسی مصلحت، ملک کے مفاد کو نظرانداز کرنا اور ہرحال میں اقتدار سے چمٹے رہنا نہیں ہے۔

بی جے پی آمریت کی طرف بڑھ رہی ہے، خودمختار اور غیر جانب دار اداروں میں تعصب اور فرقہ واریت کا زہر گھول کر اور ان پر زعفرانی رنگ چڑھا کر ان سے من مانی کرانا چاہتی ہے اور عدالتوں پر بھی اثرانداز ہونا چاہتی ہے، اجودھیا کی بابری مسجد صدیوں پرانی ہے، اس کو پہلے تو متنازع بنا کر اس کی ملکیت کا جھگڑا کھڑا کیا گیا اور زور زبردستی سے اس پر قبضہ کرنا چاہا، اسی اثنا میں لال کرشن اڈوانی نے رتھ نکال کر ملک کی فضا خراب کی اور فرقہ وارانہ ماحول گرم کیا، اجودھیا میں کارسیوکوں کو جمع کرکے انہوں نے اور بی جے پی اور وشوہندو پریشد کے سرکردہ لیڈروں نے اپنی اشتعال انگیز تقریروں سے مسجد ہی مسمار کرادی، ابھی اس کی ملکیت کا جھگڑا طے بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے انہدام کا بھی قضیہ اٹھ کھڑا ہوا، اول الذکر معاملے میں عدالت کے حکم سے محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں کھدائی کا کام شروع ہوا اور ۵ ماہ میں مکمل ہوا، پہلے محکمہ نے تین رپورٹیں پیش کیں جن میں مندر کے وجود کا کوئی ذکر نہ تھا مگر آخری رپورٹ میں ڈرامائی انداز میں اس کی نشان دہی کی گئی ہے، یہ رپورٹ حقایق کے خلاف اور تضادات سے بھری ہونے کے علاوہ زعفرانی رنگ میں رنگی ہوئی ٹیم کی تیار کردہ ہے، اس لیے بجا طور

پر اس کو سیاست کے زیر اثر اور حکمراں جماعت کے دباؤ کا نتیجہ قرار دیا جارہا ہے، انہدام کے معاملے میں خود کارسیوکوں ہی نے اثر ورسوخ استعمال کر کے اپنا معاملہ الگ کرالینے کا الزام اڈوانی اور دوسرے لیڈروں پر لگایا ہے اور یہ بھی کہ دباؤ ڈال کر سب کے نام اور ثبوت ہٹائے گئے، یو-پی کی سابق وزیر اعلا نے اپنے اوپر بھی دباؤ ڈالنے کا اعتراف کیا ہے لیکن ۱۹/ ستمبر کو سی بی آئی کی خصوصی عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے اس میں سب پر تو فرد جرم عاید کی گئی ہے مگر اصل ہیرو کو جس نے افسانے کو افسانہ بنایا تھا بری کر دیا گیا ہے، سی بی آئی وزیر داخلہ کے ماتحت ہے اس لیے اس کا دباؤ میں آجانا کیا مستبعد ہے؟ گجرات کے مجرموں اور قاتلوں کو بچانے کے لیے ریاستی حکومت کے کرتوت پر ملک کی سب سے بڑی عدالت کی پھٹکار سب کے سامنے ہے، بی جے پی کی مرکزی حکومت شروع ہی سے اپنی ریاستی حکومت کو بچانے میں لگی ہوئی ہے، کیا یہی اصول پسندی اور ایمان داری ہے۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی علمائے دیوبند میں اپنی یگانہ اور منفرد خصوصیات کی بنا پر ممتاز تھے، ان کا علمی پایہ بلند تھا، درس و تدریس کی مشغولیت کے باوجود انہوں نے قیمتی تحریری و تصنیفی سرمایہ چھوڑا ہے، بلند پایہ رسالہ برہان کے اجرا کے وقت سے وفات تک برابر اس کے اڈیٹر رہے، آخر میں علی گڑھ کے شعبہ سنی دینیات سے تعلق ہوا تو اسے بڑی وسعت و ترقی دی، شعبہ نے اپنے محسن کے کمالات کے اعتراف کے لیے "مولانا کی حیات اور علمی خدمات" کے عنوان سے ۲۸ و ۲۹/ اگست ۲۰۰۳ء کو ایک باوقار سمینار کیا تھا جس کا افتتاح یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب نسیم احمد صاحب نے کیا اور جناب نجات اللہ صدیقی نے افتتاحی جلسے کی صدارت کی، مفتی فضیل الرحمان ہلال عثمانی نے کلیدی خطبہ پڑھا، مقالات خوانی کے چار جلسے ہوئے جس میں شعبہ دینیات کے علاوہ دوسرے شعبوں کے اساتذہ اور علی گڑھ میں مقیم سربرآوردہ حضرات نے مولانا کے مختلف پہلوؤں پر مقالے پڑھے، بیرونی شرکا میں خاکسار کے علاوہ پروفیسر محسن عثمانی (حیدرآباد) اور ڈاکٹر بصیر احمد خاں (دہلی) نے بھی مقالے پیش کیے، اختتامی جلسے میں مولانا کے صحبت یافتہ پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے اپنے تاثرات بیان کیے جو پسند کیے گئے، شعبہ سنی دینیات کی سربراہ پروفیسر نسیم منصور صاحبہ کو مولانا سے تلمذ اور سینیر استاذ قاضی زین الساجدین کو قربت کا شرف حاصل رہا ہے، ان دونوں کی جدوجہد اور شعبہ کے ناظم ڈاکٹر سعود عالم قاسمی کی مہارت و تجربے سے یہ سمینار بہت کامیاب رہا، اس کے لیے یہ سب اور شعبہ کے اساتذہ و طلبہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مقالات

جاہلی عہد میں حنیفیت

از پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ☆

بعثت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے عرب میں ایک رواجی دین کا چرچا تھا، اس کی بنیاد دین ابراہیمی پر تھی، وہ خالص دین اسلام تھا جو تمام پیغمبرانِ وقت لاتے رہے لیکن اس خالص دین ابراہیمی میں رفتہ رفتہ بہت سی بدعات وخرافات شامل ہوتی گئیں اور وہ مسخ ہوگیا، اس دین کو بگاڑنے والے اسباب ومحرکات اور عناصر میں شرک کا تصور سب سے زیادہ کارگر رہا، اس نے اللہ واحد کے عقیدہ کو دھندھلا کر دیا اور معبودِ حقیقی کے ساتھ بعض عناصر و اشیاء کی عبادت شامل کر دی، حضرات موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے دین بھی دین ابراہیمی کا تسلسل اور دین اسلام کی عصری صورتیں تھیں، وہ بدعات وانحرافات کی بنا پر اپنے صحیح جادۂ اسلامی سے کج ہوکر رواجی یہودیت ومسیحیت میں ڈھل گئے (ابن ہشام ۱/ ۱۴-۳۵ و مابعد، ۲۴۲-۲۵۱ و مابعد، سہیلی، الروض الانف، متعلقہ مباحث، السید محمود شکری الآلوسی، بلوغ الأرب فی معرفۃ احوال العرب، تحقیق محمد بہجۃ الاثیری، دار الکتاب العربی، قاہرہ ۱۳۴۲ء طبع سوم ۲/ ۲۴۰-۲۴۱ وغیرہ، جواد علی، تاریخ العرب قبل الاسلام، مطبعۃ المجمع العلمی العراقی، بغداد ۱۹۵۶ء، ۶/ ۶-۵۰ (یہودیت) ۵۱-۸۸ (نصرانیت) وغیرہ)۔

اکثریت کے رواجی دین کے خلاف صالح روحوں اور پاک ذہنوں میں احتجاجی لہریں اٹھتی رہیں، بالعموم ایسا سمجھا جاتا ہے کہ شرک اور مشرکانہ روایات و رسوم کے خلاف بعثت محمدی سے کچھ قبل ہی ردعمل شروع ہوا، مولانا شبلی نعمانی" کا خیال ہے کہ "...... اس بنا پر بت پرستی کی برائی کا خیال بہتوں کے دل میں آیا، لیکن اس کا تاریخی زمانہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے ......" (سیرۃ النبی، معارف پریس اعظم گڈھ، ۱۹۸۳ء، ۱/ ۱۲۴) بیشتر

☆ ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

سیرت نگاروں نے اسے ''حنیفیت'' کے نام سے یاد کیا ہے اور اس کا نقطۂ آغاز بعثت کے قریب مانا ہے، کئی اہل قلم نے دین حنیفی کو صرف مکہ مکرمہ تک محدود مانا ہے اور اسے صرف ایک علاقائی ردعمل بنا دیا ہے، اس مطالعہ کا مقصد عرب میں حنیفیت کی تاریخ، حدود و اثرات کا پتہ لگانا اور قارئین کے سامنے پیش کرنا ہے۔

جدید اردو سیرت نگاروں میں مولانا شبلی نعمانیؒ حنیفیت کی تاریخ و وسعت و اثر سے سب سے واقف تھے، ''ابن ہشام نے بت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں چار کا نام لکھا ہے لیکن اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اور متعدد اہل نظر پیدا ہوگئے تھے جنہوں نے بت پرستی سے توبہ کی تھی''۔ (۱/۱۲۵-۱۲۶) انہوں نے چند دوسرے احناف کا ذکر مختلف روایات و اخبار کی سند پر کیا ہے اور ان کا بیان اپنے مقام پر آتا ہے۔

شبلیؒ کی فراہم کردہ طرز تحقیق پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے مزید تحقیقات کیں اور حقیقی حنیفیت کے رجحان اور اس سے متاثر افراد کے بارے میں مزید معلومات بیان کیں، ان کا ایک اقتباس نقل کرنے کے لائق ہے ''عرب کا اصل دین دینِ ابراہیمی تھا اور بت پرستی ان کے ہاں عمرو بن لحی نامی ایک شخص نے شروع کی تھی، شرک و بت پرستی کے رواج عام کے باوجود عرب کے مختلف حصوں میں جگہ جگہ ایسے لوگ موجود تھے جو شرک کا انکار کرتے تھے، توحید کا اعلان کرتے تھے اور بتوں پر قربانیاں کرنے کی علانیہ مذمت کرتے تھے، خود نبی ﷺ کے عہد سے بالکل قریب زمانے میں قس بن ساعدہ الایادی، امیہ بن ابی الصلت، سوید بن عمرو المصطلقی، وکیع بن سلمہ بن زہیر الایادی، عمرو بن جندب الجہنی، ابوقیس حرمہ بن ابی انس، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث، عبیداللہ بن جحش، عامر بن الظرب العدوانی، علاف بن شہاب التیمی، المتلمس ابن امیہ الکنانی، زہیر بن ابی سلمی، خالد بن سنان بن غیث العبسی، عبداللہ القضاعی اور ایسے ہی بہت سے لوگوں کے حالات ہمیں تاریخوں میں ملتے ہیں جنہیں ''حنفاء'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ سب لوگ علی الاعلان توحید کو اصل دین کہتے تھے اور مشرکین کے مذہب سے اپنی بے تعلقی کا صاف صاف اظہار کرتے تھے، ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے ذہن میں یہ تخیل انبیاء کی سابق تعلیمات کے باقی ماندہ اثرات ہی سے آیا تھا......'' (تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی،

۱۹۸۴ء، ۴/۳۷، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۹ء، ۲/۷۰-۷۲) سید مودودیؒ نے اپنی کتاب سیرت میں بعض سے متعلق کچھ تفصیلات بھی دی ہیں۔

شبلیؒ اور مودودیؒ کی تحقیقات کو آگے بڑھاتے ہوئے جاہلی دور میں حنیفیت کا مطالعہ زیادہ سود مند ہوگا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف خطوں اور ان کے قبیلوں میں موجود احناف کا ذکر خطہ بہ خطہ یا قبیلہ بہ قبیلہ کیا جائے تاکہ حنیفیت کا دائرۂ اثر واضح ہوسکے اور اس سے زیادہ یہ حقیقت اجاگر ہوسکے کہ وہ ایک عارضی اور مقامی رجحان نہیں تھا، بلکہ ایک قومی مزاج اور دین ابراہیمی کا اظہار تھا اور وہ ہر زمان و مکان میں پایا جاتا رہا، ڈاکٹر جواد علی نے اپنی کتاب میں احناف عرب پر ایک خاص باب باندھا ہے جس میں اس کی تاریخ ہے۔ (تاریخ العرب قبل الاسلام، مطبعۃ المجمع العلمی العراقی، بغداد ۱۹۵۶ء، ۶/۲۸۴-۳۲۲: الفصل السادس: المجوس و الاحناف)

مولانا مودودیؒ کا یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے کہ ''...... یہ بھی رسالتِ اسماعیلی کا اثر ہی تھا کہ بعثتِ محمدی کے وقت تک عرب میں ایسے لوگوں کا ایک گروہ موجود رہا جنہیں تاریخ میں حنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے'' (سیرت ۲/۱۷)، اس پر صرف یہ وضاحتی تبصرہ کافی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے مبارک زمانے سے دینِ ابراہیمی اور دین اسلام کا رواج عربوں میں رہا اور جب جاہلیت نے اس اصل دین کو مسخ کیا تب بھی اس کے بہت سے احکام و رسوم اور اعمال و مناسک عربوں میں برقرار و جاری رہے، توحید الٰہی اور اصل دین کے عقاید و ارکان پر ایمان و عمل بھی ان میں سے تھا جو بہت سے علاقوں میں ہمیشہ پایا جاتا رہا، دین ابراہیمی کے باقیاتِ صالحات پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ، سید مودودیؒ، شبلی نعمانیؒ اور متعدد دوسرے اہل قلم نے تفصیل سے لکھا ہے جو سرِدست زیر بحث نہیں، حنیفیت زیر بحث ہے اور اس کی تاریخ۔

حنیفیت کیا ہے؟ مولانا شبلیؒ کا خیال ہے ''یہ تحقیق نہیں کہ دین ابراہیمی کو حنفی کیوں کہتے ہیں؟ قرآن مجید میں یہ لفظ موجود ہے لیکن اس کے معنی میں اختلاف ہے، مفسرین لکھتے ہیں کہ چوں کہ اس دین میں بت پرستی سے انحراف تھا، اس لیے اس کو حنفی کہتے ہیں، کیوں کہ ''حنف'' کے معنی انحراف کے ہیں ...... ممکن ہے کہ بت پرستوں نے یہ لقب دیا ہو اور موحدین نے فخریہ

قبول کرلیا ہو......" (۱/۲۶ ابلا حوالہ مصادر)، مولانا مودودیؒ نے حنیفیت سے مراد توحید الٰہی اور شرک و بت پرستی سے گریز کو لیا ہے (تفہیم ۴/۳۶-۳۷ و مابعد سیرت ۲/۷۰-۷۱ و مابعد، آلوسی؛ جواد علی اور دوسرے اہل قلم، نیز بحث آیندہ بر عقاید و اعمال احناف)۔

ابن اسحاق نے حضرت سلمان فارسی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے صحیح دین کی تلاش میں ترک وطن کیا، اپنے وطن ایران سے سفر کرتے ہوئے شام پہنچے تو شامی راہب و عالم سے حنیفیت یعنی دین ابراہیمی کے بارے میں سوال کیا، اس مرد دانا نے کہا کہ یہ وہ سوال ہے کہ لوگ آج کل نہیں پوچھا کرتے، زمانہ آگیا کہ ایک نبی اس دین کے ساتھ اہل حرم میں مبعوث ہوگا، ان کے پاس جاؤ وہ تم کو اس کا حامل بنادیں گے"...... فقلت:...... أخبرني عن الحنفية دين ابراهيم، قال: انک تسألني عن شي ما يسأل عنه الناس اليوم قد اظلک زمان نبي يبعث بهذا الدين من اهل الحرم، فاته فهو يحملک عليه......" (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مرتبہ محی الدین عبدالحمید، دار الفکر، قاہرہ ۱۹۳۷ء، ۱/۲۴۱)۔

ابن اسحاق و ابن ہشام نے اس کے بعد مکہ مکرمہ کے چار مشہور و معروف حنفاء کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ وہ قریش کی رواجی بت پرستی اور عام دین چھوڑ کر اصل دین ابراہیم کی تلاش و جستجو میں مختلف علاقوں میں پھیل گئے، کیوں کہ ان کی قوم کسی اصل پر قایم نہ تھی اور وہ اپنے جدامجد حضرت ابراہیم کے دین سے دور جا پڑے تھے، جن پتھروں کا وہ طواف کرتے تھے وہ سنتے تھے نہ دیکھتے تھے، نقصان پہنچاتے تھے اور نہ نفع، لہذا اصل دین تلاش کرو"...... فقال بعضهم لبعض: تعلموا والله ما قومكم على شئ، لقد اخطئوا دين ابيهم ابراهيم، ما حجر نطيف به لا يسمع ولا يبصر، ولا يضر ولا ينفع! يا قوم! التمسوا لانفسكم، فانكم والله ما انتم على شئ، فتنفرقوا في البلدان يلتمسون الحنفية دين ابراهيم" (۱/۲۴۲)۔

ان چاروں باشندگان مکہ مکرمہ میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کے دین کی مزید تفصیل سے حنیفیت کا دایرہ شرک و بت پرستی سے آگے بڑھ کر پورے دین ابراہیمی کو حاوی ہو جاتا ہے، ابن اسحاق کا مزید بیان ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے دین کو ترک کیا، بتوں، مردہ گوشت،

خون اور بتوں کے چڑھاوے کے جانوروں کے ذبیحہ سے اجتناب کیا، نومولود بچیوں کے قتل سے لوگوں کو روکا اور کہا کہ میں ابراہیم کے رب کی عبادت کرتا ہوں"...... وفارق دين قومه، فاعتزل الاوثان والميتة والدم والذبائح التي تذبح على الاوثان ونهى عن قتل الموءودة، وقال: اعبد رب ابراهيم......" (۱/۲۴۲، فتح الباری، ریاض ۱۹۹۷ء، ۷/۱۸۳-۱۸۴)۔

حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کے دین ابراہیمی پر گامزن ہونے اور حنیفیت کے معنی دین ابراہیمی ہونے کا اظہار ابن اسحاق کی ایک اور روایت سے ہوتا ہے، وہ کعبہ کی جانب ٹیک لگائے قریش سے فرمایا کرتے تھے "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں زید بن عمرو کی جان ہے میرے علاوہ تم میں اور کوئی دین ابراہیم پر باقی نہیں ہے"، پھر فرماتے: "اے اللہ! اگر میں جانتا کہ تجھے کون سا طریقہ سب سے زیادہ پسند ہے تو میں اسی کے مطابق تیری عبادت کرتا لیکن میں اسے نہیں جانتا، پھر وہ اپنے پہلو پر سجدہ کرتے"...... يا معشر قريش! والذي نفس زيد بن عمرو بيده ما اصبح منكم احد على دين ابراهيم غيري ثم يقول: اللهم لو اني اعلم اي الوجوه احب اليك عبدتك به، ولكني لا اعلمه، ثم يسجد على راحته" (۱/۲۴۴) امام بخاری کی روایت میں یہی بات دوسرے الفاظ میں ہے"...... والله ما منكم على دين ابراهيم غيري" (كتاب مناقب الانصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل)۔

ابن اسحاق کی ایک اور روایت میں حنفیت کو دین ابراہیمی کے مترادف قرار دیا گیا ہے، وہ بھی حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے حوالے سے ہی ہے، حضرت زید کی اہلیہ صفیہ بنت الحضرمی تھیں، حضرت زید جب بھی مکہ سے جانے اور بلاد ارض میں حنیفیت / ابراہیمی دین کو تلاش کرنے کے لیے سفر کرنے کا تہیہ کرتے وہ ان کے چچا اور ماں کے بھائی خطاب بن نفیل عدوی کو اطلاع کردیتی اور وہ ان کو اپنی قوم کے دین کے چھوڑنے پر عتاب کرتے رہتے"...... وكان زيد بن عمرو قد اجمع الخروج من مكة ليضرب في الارض يطلب الحنفية دين ابراهيم ﷺ، فكانت صفية بنت الحضرمي كلما رأته قد تهيأ

للخروج و اراده آذنت به الخطاب بن نفیل، وکان الخطاب بن نفیل عمه واخاه لامه، وکان یعاتبه علی فراق دین قومه......"(۲۴۷/۱)۔

دین ابراہیم کی تلاش میں بالآخر وہ مکہ سے نکل ہی گئے، وہ راہبوں اور احبار سے پوچھتے پوچھتے موصل و جزیرہ کا چکر لگاتے ہوئے شام پہنچے اور اس کو کھنگال ڈالا تا آنکہ وہ ارض بلقاء میں میفعہ میں ایک راہب سے جا ملے جو نصرانیوں کا سب سے بڑا عالم سمجھا جاتا تھا اور اس سے جیسا کہ راویوں کا گمان ہے حنفیت دین ابراہیم کے بارے میں پوچھا اور اس نے بتایا کہ ان کے اپنے وطن میں ایک نبی دین ابراہیم حنفیت کے ساتھ مبعوث ہوگا۔" ...... ثم خرج یطلب دین ابراهیم ویسائل الرهبان و الاحبار حتی بلغ الموصل و الجزیره کلها ثم اقبل فجال الشام کلها، حتی انتهی الی راهب بمیفعة من ارض البلقاء کان ینتهی الیه علم اهل النصرانیة، فیما یزعمون، فسأله عن الحنفیة دین ابراهیم، قال: ...... ولکن قد اظل زمان نبی یخرج من بلادك التی خرجت منها، یبعث بدین ابراهیم الحنفیة، فالحق بها فانه مبعوث الآن ......"(۲۴۹/۱-۲۵۰)۔

حنیفیت کو دین ابراہیم بتانے والی ابن اسحاق کی روایت کو امام بخاری نے اپنی سند سے بیان کیا ہے، اس کے مطابق شامی عالم سے جب حضرت زید نے صحیح دین کے بارے میں پوچھا تو عالم نے کہا کہ اسے حنیف ہونا چاہیے، حضرت زید کے سوال پر کہ حنیف کیا ہے، یہودی عالم نے کہا کہ دین ابراہیم، وہ یہودی تھے اور نصرانی، وہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے اور ایک عیسائی/نصرانی عالم نے بھی یہی تعریف حنیف اور دین ابراہیم کی کی تھی، دونوں جگہ یکساں تعبیرات ہیں حضرت زید نے حضرت ابراہیم کے بارے میں جب ان کے اقوال سنے تو برجستہ ہاتھ اٹھا کر فرمایا تھا کہ "اے میرے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیم کے دین پر ہوں......"

"...... قال: ما اعلمه الا ان یکون حنیفا، قال زید: وما الحنیف؟ قال دین ابراهیم، لم یکن یهودیا ولا نصرانیا ولا یعبد الا اللّٰه ...... فلما رأی زید قولهم فی ابراهیم علیه السلام خرج فلما برز رفع یدیه

فقال: اللّٰهم انی اشهد انی علی دین ابراهیم......"۔(کتاب مناقب الانصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل، حدیث ۳۸۲۷ بہ سند حضرت ابن عمرؓ ابن حجر، فتح الباری، ۱۸۰/۷-۱۸۳ و مابعد)۔

حافظ ابن حجر نے اولین حدیث بخاری: "ما منکم علی دین ابراهیم غیری" میں ابو اسامہ کی روایت میں موجود اضافہ نقل کیا ہے، حضرت زید کہا کرتے تھے کہ میرا اللہ ابراہیم کا اللہ ہے اور میرا دین ابراہیم کا دین ہے،" وکان یقول: الهی اله ابراهیم و دینی دین ابراهیم ...... "انہوں نے ابن ابی الزناد اور ابن اسحاق کی روایات بھی مختصراً نقل کی ہیں جن میں عبادت اصنام اور بتوں کے چڑھاوے سے ان کے اجتناب کا ذکر کیا گیا ہے، (۱۸۳/۷) شاہ ولی اللہ دہلوی نے حضرت زید کے اشعار کے ذریعہ حکما و افاضل عرب کے اثبات توحید کا ذکر کیا ہے:

...... وجدت افاضلهم و حکمائهم کانوا یقولون بالمعاد و بالحفظة و غیر ذلک و یثبتون التوحید علی وجبه حتی قال زید بن عمرو بن نفیل فی شعره:

عبادك یخطئون وانت رب	بکفیک المنایا والحتوم
أربا واحدا ام الف رب	ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزیٰ جمیعا	کذلک یفعل الرجل البصیر

(حجة اللّٰه البالغه، ۲۷۷/۱)۔

دین ابراہیمی کے بقایا میں سے بتوں پر جانوروں کی قربانی اور بھینٹ سے اجتناب بھی تھا، اس کی تصریح "الروض الانف" کے محقق گرامی نے کی ہے اور سہیلی کی اس رائے پر کہ دین ابراہیمی میں صرف مردہ گوشت حرام تھا، اس کی وضاحت امام سہیلی نے کی ہے اور حافظ ابن حجر نے ان کی رائے کی بنا پر حدیث بخاری کی تشریح کی ہے، سہیلی کی تشریح و وضاحت بھی امام بخاری کی مذکورہ بالا حدیث نمبر ۳۸۲۶ کی بنا پر ہی ہے، دونوں نے متعدد علما، محدثین اور اصولی ماہرین کے اقوال نقل کیے ہیں، حافظ ابن حجر کے الفاظ ہیں: "...... وانما کان عند اهل الجاهلیة بقایا من دین ابراهیم، وکان فی شرع ابراهیم تحریم المیتة لا تحریم

مالم یذکر اسم اللّٰہ علیہ وانما نزل تحریم ذلک فی الاسلام والاصح
ان الاشیاء قبل الشرع لا توصف بحل ولا بحرمۃ، مع ان الذبائح لھا
اصل فی تحلیل الشرع واستمر ذلک الی نزول القرآن، ولم ینقل ان احدا
بعد المبعث کف عن الذبائح حتی نزلت الآیۃ ......"۔ (فتح الباری ۱۸۲/۷
سہیلی، الروض الانف، مرتبہ عبدالرحمٰن الوکیل، قاہرہ ۱۹۶۷ء، ۳۵۹/۲-۳۶۳ بالخصوص ۳۶۲)

مردہ جانور (میتۃ) کی مانند بتوں کی بھینٹ بھی دین ابراہیم میں حرام تھی، امام سہیلی
کے قول کو بلا دلیل قرار دیا ہے اور اس حدیث کے تعلق سے بعض علما کا خیال بھی نقل کیا ہے،
بخاری کی حدیث کہ حضرت زید نے نبی اکرم ﷺ کے دسترخوان پر شرکتِ طعام سے اس لیے انکار
کر دیا تھا کہ وہ بتوں پر چڑھاوے کا جانور نہیں کھاتے تھے، صرف اللہ کے نام کا ذبیحہ کھاتے تھے:
"...... انی لست آکل ما تذبحون علی انصابکم، ولا آکل الا ما ذکر اسم
اللّٰہ علیہ ......" کے بارے میں ابن بطال کا قول نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اس کھانے/
دسترخوان سے کھانے سے انکار کر دیا تھا اور نبی اکرم ﷺ نے جب اسے حضرت زید بن عمرو بن نفیل
کی طرف بڑھایا تو انہوں نے بھی انکار کر دیا اور سبب مذکور بتایا" ...... کانت السفرۃ لقریش
قدموھا للنبی ﷺ فأبی ان یاکل منھا، فقدمھا النبی ﷺ لزید بن عمرو
فأبی ان یاکل منھا ......" (۳۶۱/۲)، امام خطابی کا بھی یہی قول ہے کہ نبی ﷺ اصنام پر
ذبح کیا ہوا جانور نہیں تناول فرماتے تھے اور باقی ذبیحہ قریش کھالیا کرتے تھے اگرچہ وہ اس پر اللہ کا
نام نہیں لیتے تھے کیوں کہ شریعت اس حکم کے ساتھ بعد میں نازل ہوئی" ...... کان النبی ﷺ لا
یاکل ما یذبحون علیھا للاصنام، ویاکل ما عدا ذلک، وان کانوا لا یذکرون اسم
اللّٰہ علیہ، لان الشرع لم یکن نزل بعد ......" (۳۶۲/۲ حاشیہ)، یہ نکتہ تحقیق طلب ہے کہ
مشرکین مکہ و عرب اپنے جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتے تھے یا نہیں؟ روایات کا درو
بست بتاتا ہے کہ وہ عام ذبائح پر نام الٰہی لیتے تھے کہ وہ سنت ابراہیمی تھی۔

ابن ہشام نے اپنی تشریح میں حنفیت کی ایک دوسری جہت بتائی ہے، ان کے مطابق
عرب" تحنث و تحنف "ایک معنی میں استعمال کرتے تھے،" تحنث "دراصل" تحنف"

ہے اور" ف "" کو" ث "" سے بدل دیا کرتے تھے اور اس سے مراد حنفیت لیتے تھے:" قال ابن
ہشام: تقول العرب: التحنث والتحنف، یریدون الحنفیۃ،
فیبدلون الفاء من الثاء ......" (۲۵۶/۱) انہوں نے کلام عرب سے اس کی بعض
مثالیں بھی پیش کی ہیں، اس سے کچھ پہلے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ
ہر سال ایک ماہ غار حراء میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور یہ وہ تحنث اور نیکی کا کام تھا جو قریش
جاہلیت میں کیا کرتے تھے،" ...... کان رسول اللّٰہ ﷺ یجاور فی حراء من کل
سنۃ شھرا، وکان ذلک مما تحنث بہ قریش فی الجاھلیۃ (والتحنث:
التبرر) ......" (۲۵۳/۱، سہیلی ۳۸۰/۲، ۳۹۰-۳۹۲) ...... واما التحنف بالفاء،
فھو من باب التبرر، لانہ من الحنیفیۃ دین ابراھیم ...... الجوار
بالکسر فی معنی المجاورۃ، وھی الاعتکاف، ولا فرق بین الجوار و
الاعتکاف الا من وجہ واحد، وھو ان الاعتکاف لا یکون الا داخل
المسجد، والجوار قد یکون خارج المسجد کذلک قال ابن عبد
البر، ولذلک لم یُسمّ جوارہ بحراء اعتکافا ......"۔

امام طبری نے سورۂ بقرہ ۱۳۵ میں وارد الفاظ الٰہی "ملۃ ابراھیم حنیفا" کی تفسیر
میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کا دین حنیفیت مسلمہ تھا جس پر بعد کی تمام دوسری ملتوں اور مذہبوں کا
مدار تھا:" فان دینہ کان الحنیفیۃ المسلمۃ ......" (جامع البیان عن تاویل آی
القرآن / تفسیر الطبری، مرتبہ محمود شاکر، بیروت ۲۰۰۱ء، ۶۵۳/۱)، زمخشری نے اس آیت
کریمہ کی تاویل میں حنیف کے صَرف لغوی معنی سے بحث کی ہے کہ ہر باطل دین سے کٹ کر دین
حق کا ہو جانے والا حنیف ہوتا ہے اور اس کا مصدر حنف ہے اور انہوں نے استشہاد میں ایک شعر
بھی نقل کیا ہے:" والحنیف: المائل عن کل دین باطل الی دین الحق ......"
(الکشاف، مرتبہ عبدالرزاق المہدی، بیروت ۱۹۹۷ء، ۲۲۰/۱)۔
سورہ آل عمران ۹۵ میں ملۃ اسلام سے (۴۱۳/۱) تعبیر کیا ہے (سورہ نساء ۱۲۵، انعام
۱۶۱،۷۹، یونس ۱۰۵، نحل ۱۲۰، ۱۲۳، روم ۳۰، حج ۳۱، بینہ ۵) ابن منظور نے تحنث کے معنی "تعبد

واعتزل الاصنام " لکھے ہیں اور اسے تحنف کے مثل قرار دیا ہے (لسان العرب مادہ حنث) انہوں نے تحنف رحنف کو الگ سے بحث کے قابل نہیں سمجھا کہ وہ تحنث ہی کا مترادف ہے، حدیث نبوی کی تشریح بھی اسی طرح کی ہے، صحیح حدیث میں ملت اسلام کے لیے "الحنيفية السمحة" کی ترکیب آئی ہے: "الحنيفية السمحة السهلة" (مقالہ "حنیف" دایرہ معارف اسلامیہ، لاہور از ادارہ، ابن اثیر، اسد الغابہ، ۷۲/۱: احب الاديان الى الله الحنيفية السمحة ......) شاہ ولی اللہ دہلوی نے رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا ہے کہ آپ ملت حنیفیہ اسماعیلیہ میں جو کجی آ گئی تھی اس کو دور کرنے، اس کی تحریف کو ختم کرنے اور اس کے نور کو پھیلانے کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے: فاعلم انه ﷺ بعث بالملة الحنيفية الاسماعيلية لاقامة عوجها وازالة تحريفها واشاعة نورها ...... (حجة الله البالغه، ۲۷۱/۱-۲۷۲، نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۰۲ھ، مع اردو ترجمہ مولانا حقانی، باب بيان ما كان عليه حال اهل الجاهلية فاصلحه النبی ﷺ)۔

ڈاکٹر جواد علی نے حنفاء و احناف کی تعریف میں لکھا ہے کہ مسلمان حنفاء سے ان لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو جاہلی عربوں میں سے دین ابراہیم پر قایم تھے اور انہوں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا تھا، نہ وہ یہودیت میں داخل ہوئے اور نہ نصرانیت میں اور نہ ہی انہوں نے بتوں کی پوجا کو ایک دین سمجھا بلکہ اس پرستش پر طعن کیا اور اس کے قائلین پر تنقید کی، اہل اخبار بیان کرتے ہیں کہ تمام جاہلی عرب قحطان و عدنان کے عمرو بن لحی الخزاعی سے پہلے اس دین پر تھے وہ موحدین تھے صرف اللہ جل جلالہ کی عبادت کرتے تھے، نہ اس کے ساتھ شرک کرتے تھے اور نہ اس کے حقوق سے غفلت کرتے: "...... ويقصد المسلمون بالحنفاء من كانوا على دين ابراهيم من الجاهلين، فلم يشركوا بربهم احدا لم يدخلوا فى يهودية ولا نصرانية ولم يقبلوا لعبادة الاصنام دينا بل سفهوا تلك العبادة وسفهوا راى القائلين بها ويذكر اهل الاخبار ان الجاهلين جميعا من قحطان وعدنان كانوا قبل عمرو بن لحى الخزاعى على هذا الدين كانوا موحدين يعبدون الله جل جلاله وحده لا يشركون

به ولا ينتقصونه ...... " (تاريخ العرب قبل الاسلام، ۲۸۹/۶)۔

انہوں نے حاشیہ میں سورۂ بقرہ ۱۳۵: "بل ملة ابراهيم حنيفا" کی تخریج میں ابو عبیدہ کا قول نقل کیا:

"من كان على دين ابراهيم فهو حنيف عند العرب وكان عبدة الاوثان فى الجاهلية يقولون نحن حنفاء على دين ابراهيم فلما جاء الاسلام سموا المسلم حنيفا"۔

اخفش کا قول بھی اس کے بعد نقل کیا ہے:

"...... الحنيف المسلم وكان فى الجاهلية يقال: من اختتن وحج البيت حنيف لأن العرب لم تتمسك فى الجاهلية بشئى من دين ابراهيم غير الختان وحج البيت فكل من اختتن وحج قيل له حنيف فلما جاء الاسلام تمادت الحنيفية فالحنيف المسلم" (تاريخ العرب قبل الاسلام، ۲۹۰/۶ حاشیہ نمبر ۱ بحوالہ اللسان، ۴۰۳/۱۰ وما بعدها، بلوغ الارب، ۱۹۵/۲ وما بعدها)۔

محقق گرامی نے بجا طور سے لکھا ہے کہ عمرو بن لحی کی دعوت عرب میں خوب پھیلی اور پروان چڑھی کہ اکثر لوگ اس میں داخل ہو گئے کیوں کہ گمراہی جلدی پھیلتی ہے اور دین ابراہیمی کی حفاظت کرنے والے اور دین توحید حنیف کے احکام کی رعایت کرنے والے کم سے کم ہوتے گئے جو اللہ واحد کے اعتقاد، بیت اللہ کے طواف و حج، عمرہ، عرفہ میں وقوف اور جانوروں کی قربانی، حج و عمرہ کے تلبیہ و اہلال وغیرہ پر مبنی تھا، ان عربوں میں صرف ایک محدود تعداد ہی بعثت محمدیہ کے زمانے تک اس دین حنیف پر باقی رہ سکی، ختنہ، حج بیت اللہ، جنابت کے غسل، بت پرستی سے اجتناب ہی وہ فرق و امتیاز کرنے والی علامات رہ گئیں جو حنفاء کو مشرکین سے الگ کرتی تھیں۔ (ایضاً ۲۹۰/۶)

تاریخ حنیفیت یہ امر واقعی ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے مدتوں بعد تک اصل دین ابراہیمی باقی رہا بلکہ تمام آلایش و امتزاج سے پاک خالص دین کے بطور زندہ اور زیر عمل رہا، لہذا تمام ابتدائی پیروانِ حضرت اسماعیلؑ خالص دین ابراہیمی - حنیفیت مسلمہ - کے ماننے والے اور صحیح مسلمین ہی تھے جیسا کہ قرآن مجید نے ان کا نام مسلم ہی بتایا ہے: هو سماكم المسلمين ......

من قبل وفی ھذا (الحج -۷۸) شاہ ولی اللہ دہلوی نے وضاحت سے لکھا ہے کہ بنو اسماعیل نے اپنے جد امجد حضرت اسماعیلؑ کا طریقہ پایا اور ان کی شریعت پر مدتوں قایم رہے تا آنکہ عمرو بن لحی نے اپنی فاسد رائے سے اس میں بہت سی چیزیں داخل کر دیں اور خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو گمراہ کیا...... وکان بنو اسماعیل توارثوا منهاج ابیهم اسماعیل فکانوا علی تلک الشریعة الی ان وجد عمرو بن لحی فادخل فیها اشیاء برایه الکاسد فضل و اضل (۱/۲۷۲)۔

مدتوں بعد جب دین ابراہیمی -حنیفیت- میں آمیزش، بدعت اور انحراف کی کارگذاری شروع ہوئی تو بھی بہت سے لوگ اصل دین ابراہیمی پر باقی رہے اور حنیفیت پر قایم رہنے والوں میں شمار ہوئے، عرب مصادر کی تقریباً یہ متفقہ روایت ہے کہ عرب بالخصوص مکہ مکرمہ میں شرکت اور بت پرستی کی رسم و طرح ایک بدوی عرب سردار عمرو بن لحی خزاعی نے ڈالی جو شام کے سفر کے دوران بت پرستی سے آشنا ہوا تھا، بالعموم اسی شخص کو دین ابراہیمی کو بدل ڈالنے والا کہا جاتا ہے، اس کی بدعت سے قبل عرب بالعموم دین حنیفی کے پیرو تھے: "انه کان اول من غیر دین اسماعیل فنصب الاوثان ...... "(ابن ہشام، ۱/۸۱ و مابعد)"...... واستبدلوا بدین ابراهیم و اسماعیل غیره فعبدوا الاوثان وصاروا الی ما کانت علیه الامم قبلهم من الضلالات وفیهم علی ذلک بقایا من عهد ابراهیم یتمسکون بها من تعظیم البیت والطواف والعمرة ......"(ابن ہشام، ۱/۸۲، شاہ ولی اللہ دہلوی، حجة اللہ البالغہ، ۱/۲۷۲ نیز ۲۷۹)، بعثت نبوی سے قریب تین سو سال قبل ہی عمرو بن لحی کی بدعات شروع ہوئیں اس سے قبل عرب اپنے جد امجد کے اصل دین پر قایم تھے: وکان بنو اسماعیل علی منهاج ابیهم الی ان وجد فیهم عمرو بن لحی و ذلک قبل مبعث النبی ﷺ قریبا من ثلثمائة سنة......)۔

شرک و بت پرستی کے رواج عام کے باوجود عرب کے مختلف قبایل میں حنفاء و احناف ہمیشہ موجود رہے، جغرافیائی لحاظ سے ان کا تعلق تمام سمتوں سے تھا، یہی وجہ ہے کہ احناف کا قبایلی تعلق مختلف علاقوں سے ملتا ہے، اس کا سبب اصلی بقول مودودی "رسالت اسماعیلی" کے اثرات

وباقیات کی ان کی زندگی میں کارفرمائی تھا، وہ دین ابراہیمی سے وابستہ رہے اور تمام بدعات و انحرافات کے باوجود ان میں حنیفیت اور دین خالص کے بہت سے باقیات صالحات باقی رہے، دین ابراہیمی کے ان کے مبارک بقایا ہی نے ان میں عقاید بھی کسی حد تک باقی و محفوظ رکھے اور اعمال دین اور رسوم معاشرت بھی، قدیم و جدید علما نے دین ابراہیمی کے باقیات پر بہت کچھ لکھا ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی نے بہت حکیمانہ بات لکھی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے منہاج اسماعیل کے موافق عربوں کی شریعت کے اجزاء کو باقی رکھا اور ان کے شعایر کو رایج رہنے دیا، تحریف و فساد کی اصلاح فرمادی...... فما کان منها موافقا لمنهاج اسماعیل او من شعائر الله ابقاه وما کان منها تحریفا او افسادا ...... ابطله و سجل علی ابطاله ...... (حجة الله البالغه، ۱/۲۷۲)۔

مکہ مکرمہ اور قریش

بالعموم روایتی سیرت نگار مکہ مکرمہ کے چار قریشی احناف کا ذکر کرتے ہیں، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ قریش اپنے اصنام (بتوں) میں سے کسی ایک بت کے پاس اپنی ایک عید منانے کے لیے جمع ہوتے، وہ اس کی تعظیم کرتے، اس کے لیے جانور قربان کرتے اور اس کے سجدے و طواف کرتے، ہر سال کا ایک دن اس عید کے لیے مخصوص و معلوم تھا، قریش کے چار افراد نے اپنی قوم سے علاحدگی اختیار کر لی اور ایک دوسرے سے کہا: سچ بتاؤ اور ایک دوسرے کا راز محفوظ رکھو، سب نے اتفاق کیا اور یہ تھے:-

۱- ورقہ بن نوفل اسدی قریشی۔
۲- عبید اللہ بن جحش اسدی خزیمی، ان کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب ہاشمی تھیں۔
۳- عثمان بن الحویرث اسدی قریشی۔
۴- زید بن عمرو بن نفیل عدوی قریشی۔

ان سب نے یہ اتفاق حنیفیت دین ابراہیمی کو تلاش کرنے اور اسے اختیار کرنے کا عزم کیا (۱/۲۴۲) کچھ مدت وہ حنیفیت پر قایم و عامل رہے پھر تینوں اول الذکر نصرانی بن گئے اور موخر الذکر ہی صرف حنیفیت پر تا آخر قایم رہے، حضرت ورقہ بن نوفل اسدی کو بعثت محمدی کی تصدیق کا موقع ملا اور ان کو اسلام کی دولت ملی، یہ دولت عبید اللہ اسدی خزیمی کو بھی مکہ مکرمہ میں

نصیب ہوئی تھی مگر حبشہ جا کر انہوں نے وہ کھو دی اور بہ طور نصرانی حبشہ میں وفات پائی، عثمان بن حویرث اسدی قریشی بھی بہ طور نصرانی شام میں مرے، صرف حضرت زید ''امت مسلمہ واحدہ'' اور حنیف کامل رہے (۱/۲۴۳-۲۴۴)، سہیلی ۲/۳۵۸-۳۶۶ و مابعد، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعۃ السعادہ مصر، غیر مورخہ، ۲/۲۳۷-۲۴۳، محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، حیدرآباد دکن ۱۹۴۲ء، ۱۷۱-۱۷۲، کتاب المنمق، حیدرآباد دکن ۱۹۶۴ء، ۱۷۵-۱۸۵، ابن قتیبہ، کتاب المعارف، مرتبہ ثروت عکاشہ، قاہرہ ۱۹۶۰ء، ۵۹: ذکر ورقہ بن نوفل و زید بن عمرو بن نفیل...... شرح الفوائد الغیاثیہ حواشی الکازرونی تفسیر البیضاوی صحیح بخاری بلوغ الأرب ۲/۲۶۹-۲۷۵ برائے حضرت ورقہ بحوالہ آلوسی، بلوغ الأرب ۲/۲۴۷-۲۵۳ بحوالہ استیعاب، اصابہ، ابن اسحاق، واقدی، دوانی، دیباچہ العقائد العضدیہ عیسیٰ الصفوی بقول مولانا شبلیؒ و مودودیؒ صرف یہی چار افراد حنفاء و احناف نہ تھے، متعدد دوسرے بھی تھے، لیکن ان دونوں نے مکی اور قریشی افراد کا اپنی فہرست احناف میں ذکر نہیں کیا ہے بلکہ بدوی قبایل اور دوسرے دیار و امصار کے احناف کے اسماء گرامی بھی گنائے ہیں: زبیر بن بکار، نسب قریش، ابن کثیر، ابن اسحاق، سہیلی، ابراہیم البقاعی، بذل النصح والشفقۃ للتعریف بھجۃ السید ورقہ)۔

مکہ مکرمہ اور قریش میں اور بھی صاحبانِ بصیرت تھے جو عرب کے رواجی دین سے بے زار اور دین ابراہیمی کے پیرو کار تھے، ابن اسحاق و ابن ہشام نے جو سبب مذکورہ بالا چار افراد کے حنیف ہونے یا بننے کا بیان کیا ہے وہ بھی محل نظر معلوم ہوتا ہے، ان کی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان چاروں نے اچانک عیدِ قریش کے موقعہ پر اجتماعی طور سے رواجی دین ترک کیا تھا، بت پرستی چھوڑی تھی اور حنفیت کی جستجو میں لگ گئے تھے اور وہ بھی اجتماعی طور سے ان کی دینی فکر کے پیچھے ان کے غور و فکر اور دوسرے اسباب و علل کا کوئی حوالہ نہیں ملتا اور جدید اہل قلم اس کا تجزیہ بھی نہیں کرتے، اصل بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں مدتوں سے دین حنیف کو ماننے، دین ابراہیمی کی طرف لوٹنے اور رواجی مذہب سے دور رہنے کا رجحان پایا جاتا تھا اور بہت سے مردان کار نہ صرف توحید الٰہی کے قایل تھے بلکہ وہ بہت سی شرعی قانونی روایات اور سماجی اقدار کی بھی پیروی کرتے تھے۔

ان میں ایک اہم ترین نام وجز بن غالب کا ہے جن کی کنیت ابو کبشہ تھی، وہ بتوں کی پوجا کا انکار کرتے تھے اور اس کو معیوب گردانتے تھے اور بت پرستوں پر طعن کرتے تھے، اسی بنا پر نبی اکرمؐ کو ان سے مشابہ قرار دے کر مشرکینِ مکہ آپ ﷺ کو بھی ''ابو کبشہ یا ابن ابی کبشہ'' کہا کرتے تھے کہ آپؐ بھی بت پرستی کے خلاف تھے: ''کان وجز بن غالب ینکر عبادۃ الاصنام و یعیبھا ویطعن علی اھلھا وکان یکنی ابا کبشہ فشبھوا النبی ﷺ بہ'' (بلاذری، انساب الاشراف، مرتبہ محمد حمید اللہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء، (اول) ۱/۹۱)، یہ وجز بن غالب خزاعی تھے اور رسول اکرم ﷺ کے نانا وھب بن عبد مناف زہری کی والدۂ ماجدہ ہند بنت ابی قیلہ کے والد تھے، ابو قیلہ ان کی اصل کنیت تھی، وہ مکہ مکرمہ کے باشندے بن گئے تھے اور اس کے اہم ترین اکابر و سادات میں تھے، قریش رسول اکرم ﷺ کے لیے کہا کرتے تھے کہ ابن ابی کبشہ نے یہ کہا: ''فکانت قریش تقول للنبی ﷺ: فعل ابن ابی کبشہ کذا'' (بلاذری، ۱/۹۱، محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، مرتبہ ایلزہ لختن شتیتر، حیدرآباد دکن ۱۹۴۲ء، ۱۲۹-۱۳۰)، بغدادی اور بلاذری نے بھی بعض اور ایسے موحدین کا ذکر کیا ہے جن کو ابو کبشہ کہا جاتا تھا، نبوی نانا کے علاوہ دوسرے یہ حضرات تھے: ۱-عمرو بن زید بن لبید نجاوی، عبد المطلب کے نانا، ۲-وھب بن عبد مناف زہری، رسول اکرم ﷺ کے نانا، ۳-حارث رغبشان بن عمرو بن لوی بن ملکان......، ۴-حارث بن عبد العزیٰ سعدی ہوازنی، رسول اکرم ﷺ کے حاضن (رضاعی باپ) مرتب نے وجز بن غالب بن حارث کے لیے طبقات ابن سعد، ۱/۱، ۳۱ کا حوالہ دیا ہے۔

خاندانِ بنی عبد مناف کے بانی اور رسول اکرم ﷺ کے ایک جدِ اعلیٰ عبد مناف بن قصی جن کا اصل نام مغیرہ تھا، لوگوں کو اللہ کے تقویٰ اور صلہ رحمی کا وعظ دیا کرتے تھے اور وصیت کرتے تھے: ''ان المغیرۃ بن قصی اوصی قریشا بتقوی اللہ و صلۃ الرحمٖ'' یہ ایک کتابِ سنگ میں لکھی ہوئی یا نقش کی ہوئی وصیت بیان کی جاتی ہے اگرچہ اس کو ضعیف روایت مانا گیا ہے (بلاذری، ۱/۵۲) البتہ بعض اہل قلم نے پوری صحت و التزام کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے دادا جناب عبد المطلب بن ہاشم توحید الٰہی کے قایل تھے اور بہت سے عقاید و اعمال دین ابراہیمی پر عمل پیرا بھی تھے، ان روایات کا روایتی و درایتی پایہ کمزور ہے، ایک تاریخ داں

کا واضح بیان ہے کہ انہوں نے بتوں کی عبادت ترک کردی تھی اور اللہ عز وجل کی توحید کے قایل تھے: "و رفض عبادۃ الاصنام و وحّد اللہ عز وجل ..... فکانت قریش تقول :عبد المطلب ابراھیم الثانی ..... و وفی بالنذر و سنّ سُننا نزل القرآن باکثرھا و جاءت السنۃ من رسول اللہ ﷺ بھا ....." (یعقوبی، تاریخ، بیروت، ۱۹۶۰ء، ۲/۱۰، مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار راقم کی کتاب "عبد المطلب ہاشمی - رسول اکرم ﷺ کے دادا" غیر مطبوعہ)۔

کعب بن لوی بن غالب رسول اکرم ﷺ کے اجداد اعلیٰ میں صاحب بصیرت و شوکت سمجھے جاتے تھے، زبیر بن بکار کے مطابق وہ ہر جمعہ کو قریش کو جمع کرتے اور ان کو اطاعت، فہم، تعلم اور تفکر کی دعوت دیتے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کی گردش پر غور کریں، اولین و آخرین کے احوال و اعتبار کو سمجھیں، وہ ان کو صلہ رحمی، اسلام کی اشاعت، عہد کی پاس داری، رشتہ داری کی رعایت اور فقیروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک پر ابھارتے، موت اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے، یوم موعود اور اس کے احوال یاد دلاتے اور نبی آخر الزماں کی بعثت کی بشارت دیتے تھے، ان کی کرامات و حالات و خیالات کی بنا پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ دین ابراہیمی سے تمسک اور حنیفیت پر گام زنی کے سبب ان میں آئے تھے، اسی بنا پر بہت سے علما کا خیال ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے تمام صلبی اجداد (جمیع اصول النبی علیہ الصلاۃ و السلام) اپنے اعتقاد کے لحاظ سے موحدین اور بعثت بعد الموت اور حساب اور دوسرے احکام حنفی پر ایمان رکھنے والے تھے جیسا کہ ماوردی نے اعلام النبوۃ میں بیان و واضح کیا ہے، آلوسی نے اسی ضمن میں دوسرے اجداد نبوی جیسے عبد المطلب، ہاشم عبد مناف، قصی، عبد اللہ بن عبد المطلب کا ذکر خیر بھی کیا ہے اگر چہ حوا نبوی سے کیا ہے، (بلوغ الارب، ۲/۲۸۱-۲۸۶، خاتمہ بحث احناف در بلوغ الارب)۔

یثرب/مدینہ

دور جاہلیت میں توحید الٰہی اور دین ابراہیمی کا دوسرا بڑا مرکز یثرب تھا جو مکہ سے پانچ سو کلومیٹر شمال میں تھا، اوس اور خزرج کے دو جنوبی عرب کے قبیلے وہاں آباد تھے اور وہ بھی رواجی دین عرب کے ساتھ دین ابراہیمی سے تعلق رکھتے تھے، ان کے علاوہ یہودیوں کے متعدد قبیلے اور شاخیں بھی یثرب میں سکونت پذیر تھیں اور وہ بھی بہر حال دین ابراہیمی کی شاخیں

تھیں، یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اصل دین میں انحرافات پیدا کر کے اس کی اصل صورت بگاڑ کر اسے یہودیت بنا دی تھی، تاہم وہ توحید الٰہی کے قایل اور اس پر عامل تھے، سب نہ سہی تو کافی تعداد میں اور اس کی تصدیق قرآن مجید سے ہوتی ہے، پھر وہ بہر حال بت پرستی اور شرک کی دوسری عرب رواجی خرافات سے مبرا تھے اور حضرت ابراہیم سے اپنا ربط جوڑتے تھے، اوس و خزرج کے قبیلے کچھ تو دین ابراہیمی کے باقیات صالحات کی بنا پر اور کچھ یہودی علما و احبار کے صحیح افکار کے سبب حنیفیت سے واقف بھی تھے اور ان میں سے بعض اس کے قایل و عامل بھی۔

یثرب کے ایک اہم شخص سُوید بن صامت اوسی تھے، وہ اپنی عقل و فہم، صلاحیت و لیاقت اور پاکیزگی کی بنا پر "الکامل" کے لقب سے معروف تھے، ان کی والدہ رسول اکرم ﷺ کے دادا جناب عبد المطلب ہاشمی کی ماں سلمٰی بنت عمرو نجاری خزرجی کی بہن لیلٰی بنت عمرو نجاری تھیں اور اس لحاظ سے وہ عبد المطلب ہاشمی کے خالہ زاد بھائی تھے، ان کو امثال لقمان کا ایک صحیفہ یا مجلّہ مل گیا تھا اور اس بنا پر ان کو "حنیف" سمجھا جاتا تھا، رسول اکرم ﷺ سے ان کی ملاقات بھی ہوئی تھی اور وہ اسلام سے متاثر ہوئے تھے اور ان کے گھرانے کے لوگ سمجھتے تھے کہ وہ ہجرت نبوی سے کچھ قبل مرے تو مسلم تھے۔ (ابن ہشام، ۲/۳۴-۳۶، سہیلی، الروض الانف، مرتبہ عبد الرحمن الوکیل، قاہرہ ۱۹۶۷ء، ۴/۴۳، ۶۵-۶۷، شبلی، ۱/۲۶۰-۲۶۱، بلاذری، ۱/۲۳۸: "و کانوا یرون انہ مسلم")

"صِرمہ بن انس، یہ بنی عدی بن نجار میں سے تھے، جاہلیت کے زمانے میں درویشی اختیار کر لی تھی، بت پرستی چھوڑ دی تھی، غسل جنابت کرتے تھے اور حائضہ سے پرہیز کرتے تھے، شراب اور ہر نشہ آور چیز کو ناپسند کرتے تھے، پہلے عیسائی ہونے کا ارادہ کیا پھر رک گئے اور ایک مسجد سی بنا لی جس میں کسی جنبی یا حائضہ کو نہیں آنے دیتے تھے، کہتے تھے کہ میں رب ابراہیم کی عبادت کرتا ہوں اور دین ابراہیمی کا پیرو ہوں، ان کا ایک شعر یہ ہے:

الحمد للہ ربی لا شریک لہ — من لم یقلھا فنفسہ ظلما

"تعریف میرے رب اللہ کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، جو شخص اس کا قایل نہیں ہے وہ اپنے نفس پر آپ ظلم کرتا ہے"۔

کا واضح بیان ہے کہ انہوں نے بتوں کی عبادت ترک کردی تھی اور اللہ عزوجل کی توحید کے قایل تھے:"ورفض عبادۃ الاصنام ووحد اللہ عزوجل ...... فکانت قریش تقول :عبد المطلب ابراھیم الثانی ...... ووفی بالنذر وسنّ سُنناً نزل القرآن باکثرھا وجاءت السنۃ من رسول اللہ ﷺ بھا ......"(یعقوبی، تاریخ، بیروت ۱۹۶۰ء، ۲/ ۱۰، مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار راقم کی کتاب "عبدالمطلب ہاشمی -رسول اکرم ﷺ کے دادا" غیر مطبوعہ)۔

کعب بن لوئی بن غالب رسول اکرم ﷺ کے اجداد اعلیٰ میں صاحب بصیرت وشوکت سمجھے جاتے تھے، زبیر بن بکار کے مطابق وہ ہر جمعہ کو قریش کو جمع کرتے اور ان کو اطاعت، فہم، تعلم اور تفکر کی دعوت دیتے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کی گردش پر غور کریں، اولین و آخرین کے احوال واعتبار کو سمجھیں، وہ ان کو صلہ رحمی، اسلام کی اشاعت، عہد کی پاس داری، رشتہ داری کی رعایت اور فقیروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک پر ابھارتے، موت اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے، یوم موعود اور اس کے احوال یاد دلاتے اور نبی آخر الزماں کی بعثت کی بشارت دیتے تھے، ان کی کرامات وحالات وخیالات کی بناپر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ دین ابراہیمی سے تمسک اور حنیفیت پر گام زنی کے سبب ان میں آئے تھے، اسی بنا پر بہت سے علما کا خیال ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے تمام صلبی اجداد (جمیع اصول النبی علیہ الصلاۃ والسلام) اپنے اعتقاد کے لحاظ سے موحدین اور بعثت بعد الموت اور حساب اور دوسرے احکام حنفی پر ایمان رکھنے والے تھے جیسا کہ ماوردی نے اعلام النبوۃ میں بیان وواضح کیا ہے، آلوسی نے اسی ضمن میں دوسرے اجداد نبوی جیسے عبدالمطلب، ہاشم عبدمناف، قصی، عبداللہ بن عبدالمطلب کا ذکر خیر بھی کیا ہے اگرچہ حوالہ نبوی سے کیا ہے، (بلوغ الارب، ۲/ ۲۸۱-۲۸۶، خاتمہ بحث احناف در بلوغ الارب)۔

یثرب/مدینہ دور جاہلیت میں توحید الٰہی اور دین ابراہیمی کا دوسرا بڑا مرکز یثرب تھا جو مکہ سے پانچ سو کلومیٹر شمال میں تھا، اوس اور خزرج کے دو جنوبی عرب کے قبیلے وہاں آباد تھے اور وہ بھی رواجی دین عرب کے ساتھ دین ابراہیمی سے تعلق رکھتے تھے، ان کے علاوہ یہودیوں کے متعدد قبیلے اور شاخیں بھی یثرب میں سکونت پذیر تھیں اور وہ بھی بہر حال دین ابراہیمی کی شاخیں

تھیں، یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اصل دین میں انحرافات پیدا کر کے اس کی اصل صورت بگاڑ کر اسے یہودیت بنا دی تھی، تاہم وہ توحید الٰہی کے قایل اور اس پر عامل تھے، سب نہ سہی تو کافی تعداد میں اور اس کی تصدیق قرآن مجید سے ہوتی ہے، پھر وہ بہر حال بت پرستی اور شرک کی دوسری عرب رواجی خرافات سے مبرا تھے اور حضرت ابراہیم سے اپنا ربط جوڑتے تھے، اوس و خزرج کے قبیلے کچھ تو دین ابراہیمی کے باقیات صالحات کی بناپر اور کچھ یہودی علما واحبار کے صحیح افکار کے سبب حنیفیت سے واقف بھی تھے اور ان میں سے بعض اس کے قایل وعامل بھی۔

یثرب کے ایک اہم شخص سُوید بن صامت اوسی تھے، وہ اپنی عقل وفہم، صلاحیت ولیاقت اور پاکیزگی کی بناپر "الکامل" کے لقب سے معروف تھے، ان کی والدہ رسول اکرم ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب ہاشمی کی ماں سلمیٰ بنت عمرو نجاری خزرجی کی بہن لیلیٰ بنت عمرو نجاری تھیں اور اس لحاظ سے وہ عبدالمطلب ہاشمی کے خالہ زاد بھائی تھے، ان کو امثال لقمان کا ایک صحیفہ یا مجلّہ مل گیا تھا اور اس بناپر ان کو "حنیف" سمجھا جاتا تھا، رسول اکرم ﷺ سے ان کی ملاقات بھی ہوئی تھی اور وہ اسلام سے متاثر ہوئے تھے اور ان کے گھرانے کے لوگ سمجھتے تھے کہ وہ ہجرت نبوی سے کچھ قبل مرے تو مسلم تھے۔ (ابن ہشام، ۲/ ۳۴-۳۶، سہیلی، الروض الانف، مرتبہ عبدالرحمن الوکیل، قاہرہ ۱۹۶۷ء، ۴/ ۴۳، ۶۵-۶۷، شبلی، ۱/ ۲۶۰-۲۶۱، بلاذری، ۱/ ۲۳۸:"وکانوا یرون انہ مسلم")

"صرمہ بن انس، یہ بنی عدی بن نجار میں سے تھے، جاہلیت کے زمانے میں درویشی اختیار کرلی تھی، بت پرستی چھوڑ دی تھی، غسل جنابت کرتے تھے اور حائضہ سے پرہیز کرتے تھے، شراب اور ہر نشہ آور چیز کو ناپسند کرتے تھے، پہلے عیسائی ہونے کا ارادہ کیا پھر رک گئے اور ایک مسجد سی بنالی جس میں کسی جنبی یا حائضہ کو نہیں آنے دیتے تھے، کہتے تھے کہ میں رب ابراہیم کی عبادت کرتا ہوں اور دین ابراہیمی کا پیرو ہوں، ان کا ایک شعر یہ ہے:

الحمد للہ ربی لا شریک لہ من لم یقلہا فنفسہ ظلما

"تعریف میرے رب اللہ کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، جو شخص اس کا قایل نہیں ہے وہ اپنے نفس پر آپ ظلم کرتا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے، انہوں نے حاضر ہو کر
اسلام قبول کیا''، (مودودی، سیرت، ۷/۲، ۱۷، بحوالہ الاستیعاب، ج ۱/ ۳۲۳، الاصابہ ۱۷۹/۲،
ابن ہشام ۱۵۶/۲) ابن قتیبہ نے ابوقیس صرمہ بن ابی انس نجاری کے بارے میں تقریباً یہی
لکھا ہے: ''...... وکان ترھب ولبس المسوح وفارق الاوثان وھمّ بالنصرانیة
ثم امسک عنھا ودخل بیتا فاتخذه مسجدا لا یدخل علیه طامث و
لاجنب وقال: اعبد رب ابراهیم فلما قدم رسول الله ﷺ المدینة اسلم و
حسن اسلامه ''نعت نبوی میں ان کا ایک طویل قصیدہ بھی ہے، (ابن قتیبہ، کتاب المعارف
۶۱، ابن ہشام ۱۳۰/۲، بلوغ الارب ۲۶۶/۲)۔

ابن سعد نے یثرب کے دو اور موحدین کا ذکر کیا ہے، وہ ہیں: اسعد بن زرارہ نجاری
خزرجی اور ابوالہیثم بن التیہان اور دونوں یثرب میں توحید کی بات کیا کرتے تھے: ''وکان اسعد
بن زرارة وابو الهيثم بن التيهان يتكلمان بالتوحيد بيثرب ......'' (الطبقات
الکبری، دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء، ۲۱۸/۱) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذکوان بن
عبد قیس نے رسول اکرم ﷺ کا پیغام سن کر حضرت اسعد بن زرارہ سے کہا تھا کہ یہ تو تمہارا دین
معلوم ہوتا ہے، حضرت ذکوان بن عبد قیس بھی انہیں موحدین اور احناف میں شمار کیے جانے کے
لائق ہیں، انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے پیغام کے بارے میں سنا تو مدینہ سے ہجرت کر کے
مکہ پہنچے اور اسلام قبول کر کے وہیں بس گئے اور پھر آپ ﷺ کے ساتھ ہی مکہ سے مدینہ کو گئے تھے اسی
لیے ان کو ''مہاجری انصاری'' دونوں کہا جاتا تھا، (بلاذری ۲۴۵/۱) بلاذری نے ان کے
لیے ''فهو من مهاجری الانصار'' کا فقرہ استعمال کیا ہے کہ ان کے علاوہ بعض اور ایسے
مدنی تھے جو مکہ میں بس گئے تھے اور یہ ایک اور قرینہ ان کے حنیف ہونے کا ہے کہ اسی کے زیر اثر
وہ بعثت نبوی کی خبر سن کر مکہ ہجرت کر گئے تھے۔

قبائل عرب: مکہ و یثرب کے علاوہ دوسرے شہروں کے حوالے سے احناف کی تاریخ
بیان کرنا مشکل ہے، اس کی متعدد وجوہ ہیں، ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ ان کی قبائلی
نسبت زیادہ معروف بھی ہے اور وسیع بھی، ان کی مکانی نسبت اتنی اہم نہیں کہ وہ کسی خاص علاقہ

سے وابستہ ہونے کے باوجود اس سے زیادہ متعلق نہ تھے، ان میں سے متعدد کا تعلق بیک زمان
متعدد علاقوں سے بھی تھا یا مختلف ادوار حیات میں وہ مختلف دیار سے وابستہ رہے، مزید یہ کہ علاقائی
و مکانی نسبت کی بہ جائے ان کے بارے میں معلومات زیادہ تر قبائلی تعلق کے حوالے سے ملتی ہیں،
لہٰذا دوسرے موحدین اور حنفاء کا ذکر ان کی قبائلی نسبت سے کرنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

ثقیف / ہوازن: عہد جاہلی کے مشہور شاعر امیہ بن ابی الصلت ربیعہ بن وہب ثقفی کو
احناف میں شمار کیا گیا ہے، ہمارے بعض راویان خوش بیان کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ احناف کے
اوصاف طہارت وصفات عالیہ کی بنا پر ان کو نبی کے درجہ پر فائز کر دیتے ہیں، چنانچہ بعض روایات
نے امیہ ثقفی شاعر کو بھی نبی بنا دیا ہے جیسے بعض دوسروں کو بنایا ہے، اس باب میں یہ واضح رہنا
ضروری ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد سے حضرت محمد بن عبد اللہ ہاشمی ﷺ تک کوئی رسول و نبی
سرزمین عرب میں مبعوث نہیں ہوا، یہ اسلامی عقیدہ بھی ہے اور تمام قدیم وجدید ماہرین کا متفقہ
فیصلہ بھی، (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۲۱۲/۲: ...... وقد قال غیر واحد من العلماء ان
الله تعالى لم يبعث بعد اسماعيل نبيا فى العرب الا محمد ﷺ) غالباً ان روایات
کا مقصود بھی یہی ہے کہ وہ اوصاف نبوی کے حاملین عالی مقام تھے کیوں کہ وہ بھی ان کی نبوت کی
بعد میں تردید کرتی نظر آتی ہیں یا ان کے بارے میں وضاحتی بیانات دیتی ہیں، امیہ بن ابی الصلت
ثقفی کے باب میں بھی نظر یہی آتا ہے، (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۱۲/۲: ...... والظاهر ان
هؤلاء كانوا قوما صالحين يدعون الى الخير والله اعلم) حافظ ابن عساکر کے
مطابق وہ دمشق گئے تھے اور وہ مستقیم صاحب جادۂ حق تھے، اول امر میں ایمان پر تھے بعد میں گمراہ
ہوئے، ''...... قدم دمشق قبل الاسلام وقیل انه کان مستقیما (وقیل انه کان نبیا)
انه کان فی اول امره علی الایمان ثم زاغ عنه (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۲/
۲۲۰-۲۲۱، ابن قتیبہ، کتاب المعارف ۶۰، بلوغ الارب ۲۵۳/۲-۲۵۸ بحوالہ اصمعی،
صحیح مسلم، اصابہ، شرح دیوان امیہ از محمد بن حبیب، الاغانی ابن قتیبہ،
طبقات الشعراء، دیوان امیہ وغیرہ)، شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ ۲۷۵/۱-
۲۷۶: ان النبی ﷺ صدق امیة بن الصلت فی بیتین من شعره ......)

حافظ طبرانی کی سند پر ایک روایت ابن کثیر نے نقل کی ہے جو امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے دین وعقیدہ کو بتاتی ہے، اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حرب اموی اور امیہ ابن ابی الصلت ثقفی ایک بار شام تجارت کے لیے گئے، وہاں نصاریٰ کے ایک گاؤں کے ایک عظیم عالم سے ملاقات کی اور امیہ ثقفی نے نہ صرف آخرت اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور جنت وجہنم کے دخول کے بارے میں اپنے عقیدہ کا اعلان کیا بلکہ جناب ابوسفیان اموی کو ان کا قایل کرنے کی کوشش کی: "بلی! واللہ یا ابا سفیان! لتبعثن ثم لتحاسبن ولید خلن فریق الجنۃ و فریق النار ......" (۲۲۲/۲)، اسی سفر کے دوران رفقائے تجارت نے عتبہ بن ربیعہ کی صفات عالیہ کے علاوہ اہل بیت اللہ میں سے ایک نبی مکرم کے مبعوث ہونے پر بھی مباحثہ کیا، ان کی صفات بیان کیں، امیہ بن ابی الصلت ثقفی نے عیسائی عالموں کی بیان کردہ صفات نبوی کا مستحق اپنی ذات کو سمجھا تھا، محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کی نبوت ورسالت کی خبر سن کر ان کی ثقفی عصبیت جاگ اٹھی اور انہوں نے رسالت محمدی تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور اس کی بنا پر وہ ذلت وتوہین کا ہدف بھی بنے، (۲۲۳/۲) بعض روایات کے مطابق انہوں نے بالآخر رسول اکرم ﷺ سے ملاقات کی اور سورہ یٰس کی تلاوت نبوی سن کر آپ کی نبوت کی تصدیق بھی کی، غزوۂ بدر کے بعد وہ ایمان کے لیے تیار بھی ہوئے پھر غیرت قومی کا شکار ہوکر بلا ایمان مرے (۲۲۶/۲ ومابعد)۔

امیہ بن ابی الصلت ثقفی بنیادی طور سے طائف کے باشندے تھے اور قریش مکہ سے قریبی ربط رکھتے تھے، ان کی ماں اموی / عبشمی سردار مکہ عبدشمس بن عبدمناف کی دختر رقیہ تھیں، اس بنا پر وہ بنوعبدشمس / بنوامیہ کے قریبی عزیز تھے، حضرت ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشمس سے ان کا رشتہ بہت قریبی تھا (۲۲۱/۲) ان کے کلام کی صداقت کی تائید رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے اور ان کی حنیفیت کی بھی، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ سب سے سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا وہ کلمہ لبید ہے: "الا کل شی ما خلا اللہ باطل" اور امیہ بن ابی الصلت تو مسلمان ہونے کے قریب تھے: "وکاد امیہ بن ابی الصلت ان یسلم" ان کے بارے میں یہ حدیث کہ شعر ان کا مومن تھا اور دل ان کا کافر: "آمن شعرہ وکفر قلبہ" حافظ ابن کثیر کے نزدیک غیر معروف

ہے، (شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ۲۷۷/۱: وقال رسول اللہ ﷺ فی امیۃ بن الصلت: آمن شعرہ ولم یومن قلبہ، وذلک مما توارثوہ من منہاج اسماعیل ودخل فیہم من اھل الکتاب ...... شاہ صاحب نے منہاج اسماعیل کے اثرات کو قبول کیا ہے، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۲۲۸/۲ ومابعد)۔

بنوعبس بن بغیض بنوعبس کا قریبی رشتہ غطفان اور اس کی ذیلی شاخوں سے تھا اور وہ ایک عظیم وطاقت ور قبیلہ تھا، اسے غطفان میں بھی بہت اہم مقام حاصل تھا، ان کی طاقت سیاسی، سماجی، فوجی اور عددی تھی، وہ مکہ ومدینہ کے مابین بستے تھے اور ان کے ایک اہم صحابی حضرت نعیم ابن مسعود اشجعی تھے جو بنوعبس بن بغیض کے بھی عامل صدقات مقرر کیے گئے تھے، ان کے علاوہ متعدد دوسرے اکابر قبیلہ تھے، (عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، باب دوم، ۱۴۸-۱۴۹ ومابعد اور ان کے حواشی) اس کے ایک حنیف وموحد کا نام خالد بن سنان بن غیث تھا، ان کے بارے میں بھی روایت آتی ہے کہ وہ ایک نبی تھے، (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۲۱۱/۲: الذی کان فی زمن الفترۃ وقد زعم بعضہم انہ کان نبیا واللہ اعلم: بحوالہ طبرانی، بزار) جن کو ان کی قوم نے ضایع کردیا، وہ عبادتِ اوثان ترک کر چکے تھے، دین ابراہیمی کے متلاشی تھے اور قیامت کا عقیدہ رکھتے تھے، ان کی دختر نیک اختر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ کو سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے ہوئے سنا: قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ......، تو انہوں نے بے ساختہ کہا کہ میرے والد بھی یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ ایک ہے، (ابن قتیبہ، کتاب المعارف، ۶۲، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۲۱۱/۲-۲۱۲، بلوغ الارب، ۲۷۸/۲-۲۸۰: کان مقرا بتوحید الربوبیۃ والالوھیۃ، ناھجا منھج الملۃ الحنیفیۃ ...... بحوالہ ابوعبیدہ معمر بن المثنی، کتاب الجماجم، حاکم مستدرک، الدمیری حیاۃ الحیوان، القزوینی، العکبری، شرح المقامات، ابن حجر، الاصابہ وغیرہ)، حافظ ابن کثیر نے ان کے نبی ہونے کی روایات پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ وہ ایک مرد نیک تھے جن کو احوال وکرامات حاصل تھے اگرچہ وہ زمانہ فترۃ میں تھے: "...... والاشبہ انہ کان رجلا صالحا لہ احوال وکرامات فانہ ان کان فی زمان الفترۃ ......"۔

عبدالقیس عرب کے مشرقی سواحل پر ایرانی سرحدوں کے قریب عبدالقیس کا طاقت ور

قبیلہ بڑی آبادی رکھتا تھا، وہ موحدین و اہل ملت کی جماعت بھی رکھتا تھا اور متعدد دوسرے مردانِ کار اور متلاشیانِ حق کے وجود سے بھی مشرف تھا، (عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، باب دوم، ۱۹۰-۱۹۲ و مابعد اور اس کے حواشی) جاہلی دور میں رئاب بن البراء عبد القیسی کو حنیف یا متلاشی حق مانا گیا ہے بعد میں وہ نصرانی بن گئے تھے، ان کو اپنے دور کے بہترین افراد میں گردانا جاتا تھا قبیلہ رخاندان "شن" سے متعلق ہونے کی بنا پر وہ "رئاب الشنی" کہلاتے تھے (ابن قتیبہ، ۵۸)، آلوسی نے ان کا نام ارباب بن رئاب شنی عبد القیسی لکھا ہے اور ماوردی کی کتاب اعلام النبوۃ حوالہ سے ایک خثعمی کے بت پرستی سے تائب ہونے کا ذکر کیا کہ وہ بعد میں مکہ پہنچ کر مسلم ہو گئے، رسول اکرم ﷺ سے ان کی ملاقات اور ندائے ہاتف کا حوالہ بھی ہے (بلوغ الارب ۲/۲۵۸-۲۵۹ بحوالہ ابن قتیبہ، المعارف، وماوردی)۔

حمیر جنوبی عرب کی جو زرخیز ساحلی پٹی یمن سے ہجر تک جاتی ہے وہ عظیم وکبیر قبیلہ حمیر کی سر زمین تھی، (عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، باب دوم، ۷۷ و مابعد اور اس کے حواشی) اس کے ایک عظیم فرد اور بطل جلیل اسعد ابوکرب الحمیری تھے، اگرچہ وہ جنوبی عرب کے فرد تھے مگر بیت اللہ سے ان کو خاص تعلق تھا اور روایت کے مطابق وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے خانہ کعبہ پر چمڑے اور کپڑے کی چادروں (انطاع والبرود) کا غلاف چڑھایا تھا، ان کا زمانہ ابن قتیبہ کے مطابق رسول اکرم ﷺ سے سات سو سال قبل کا تھا، اس کے باوجود وہ نبی مبعوث ہونے والے پر ایمان لائے تھے، دراصل یہ اشارہ ان کے صاحب ایمان وعقیدہ ہونے کی طرف ہے (ابن قتیبہ کتاب المعارف، ۲۰، آلوسی، بلوغ الارب، ۲/۲۶۰، بحوالہ ابن قتیبہ، کتاب المعارف)۔

قبایل یمن وجنوبی عرب سیف بن ذی یزن والی رشاہ یمن اور عبد المطلب ہاشمی کی ملاقات کا ذکر تقریباً تمام اہل سیر نے کیا ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ احناف میں شمار کیے جانے کے قابل تھے کہ وہ نبی آخر الزماں کی بعثت کے علاوہ الٰہ واحد کے قایل تھے، ان کے علاوہ "یمن میں چوتھی، پانچویں صدی عیسوی کے جو کتبات آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کے سلسلے میں برآمد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وہاں ایک توحیدی مذہب موجود تھا جس کے پیرو الرحمان اور رب السماء والارض ہی کو الٰہ واحد تسلیم کرتے تھے، ۳۷۸ء کا ایک کتبہ

ایک عبادت گاہ کے کھنڈر سے ملا ہے جس میں لکھا گیا ہے کہ یہ معبد "الہ ذوسموی" یعنی الہ السماء یا رب السماء کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے، ۴۶۵ء کے ایک کتبے میں "بنصر ورد ۱۱ ثمن بعل سمین و ارضین و بنصر و بعون الالہ رب السماء والارض" کے الفاظ لکھے ہیں جو عقیدۂ توحید پر صریح دلالت کرتے ہیں، اسی دور کا ایک اور کتبہ ایک قبر پر ملا ہے جس میں "بخیل رحمنن" (یعنی استعین بجول الرحمن) کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں، اسی طرح شمال میں دریائے فرات اور قنسرین کے درمیان زبد کے مقام پر ۵۱۲ء کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں "بسم الالہ لا عز الا الہ لا شکر الا لہ" کے الفاظ پائے جاتے ہیں، یہ ساری باتیں بتاتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے انبیائے سابقین کی تعلیمات کے آثار عرب سے بالکل مٹ نہیں گئے تھے اور کم از کم اتنی بات یاد دلانے کے لیے بہت سے ذرایع موجود تھے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ (مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۴/۳۷ بالحوالہ، بلوغ الارب، مقالہ ہذا کی بحث پر عقاید واعمال احناف)

قبیلہ ایاد ربکر بن وائل-عبد القیس غالباً عہد جاہلیت کے سب سے بڑے قبایلی حنیف قُس ابن ساعدہ ایادی تھے، ان کا طویل ذکر خیر ملتا ہے، ابن قتیبہ نے ان کو آیات اللہ پر ایمان رکھنے والا اور عرب کا حکم قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو بعثت سے قبل عکاظ میں ایک سرخ اونٹ پر خطبہ دیتے دیکھا تھا، حضرت ابوبکرؓ ان کے قصے بیان کرتے اور اشعار سناتے تھے، (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۲/۲۳۴ کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے فرمایش نبوی پر ان کے اشعار سنائے تھے جو عکاظ میں خود ان سے سنے تھے) "(کان موقنا بآیات اللہ)، وکان حکم العرب و ذکر رسول اللہ ﷺ انہ راہ یخطب بعکاظ ...... (ابن قتیبہ، ۶۱) (نیز ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، ۱۹۶۰ء، ۱/۳۱۵ ذکر قس بن ساعدہ: وفد بکر بن وائل، بلوغ الارب، ۲/۲۴۴-۲۴۶) حافظ ابن کثیر کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے قس بن ساعدہ الایادی سے اپنی ملاقات کا ذکر خیر اس وقت فرمایا تھا جب قوم ایاد کا وفد آپؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تھا، آپؐ نے ان کے بارے میں ایک شخص سے پوچھا تھا اور ان کی وفات کی خبر سن کر ارشاد فرمایا تھا اور ان کے کلامِ معجز کا حوالہ دیا تھا، یہ حافظ ابوبکر محمد بن جعفر خرائطی کی کتاب

''ہواتف الجان'' کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

دوسری روایت اسی مضمون کی امام طبرانی کی کتاب ''المعجم الکبیر'' کے حوالے سے نقل کی ہے جوزیادہ بہتر ہے: رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں قبیلۂ عبدالقیس کا وفد آیا تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ قس بن ساعدہ ایادی کو کون کون جانتا ہے؟ سب نے کہا کہ وہ جانتے تھے اوران کی وفات کی خبرسن کر آپ ﷺ نے ان کے خطبہ کے الفاظ نقل فرمائے جو آپ کو یاد ہوگئے تھے، ان میں دین کے لحاظ سے ایک جملہ یہ ہے کہ اللہ کا ایک دین ہے جو تمہارے دین سے زیادہ پسندیدہ ہے'': ''...... ان للّٰہ دینا ھو احب الیہ من دینکم الذی انتم علیه'' (۲۳۱/۲) ارکان وفد سے آپؐ نے ان کے اشعار بھی سنے تھے جو اس خبر میں نقل کیے گئے ہیں، حافظ ابن کثیر نے دوسرے کئی مصادر سے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے جیسے بیہقی کی ''دلایل النبوۃ''، ابن درستویہ کی ''اخبار قس''، ابونعیم اور ابن اسحاق، امام ذہبی وغیرہ، ایک روایت میں ہے کہ حضرت جارود بن المعلی العبدی کے وفد میں یہ مکالمۂ نبوی ہوا تھا، حضرت جارود نے بتایا تھا کہ وہ اسباطِ عرب میں سے ایک سبط تھے، چھ سو سال کی طویل عمر پائی، فقیری و درویشی میں بسر کی ...... وہ اولین عرب تھے جو توحید الٰہی کے قایل تھے، عبادت الٰہی کرتے تھے، آخرت وحساب پر ایمان رکھتے تھے، کفر سے بے زار تھے، حنیفیت کی طرف مایل تھے'' ...... وھو اول رجل تألہ من العرب و وحدہ واقر وتعبد وایقن بالبعث والحساب ...... وجنّب الکفر وشوق الی الحنیفیة ...... ''حضرت جارود عبدی کی تقریر کافی طویل ہے اور عربی ادب کا ایک شاہ کار۔ اس پر اسلامی اقدار وتعبیرات کا رنگ پایا جاتا ہے۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۲/ ۲۳۰ - ۲۳۷ بالخصوص حنیفیت کے لیے ۲۳۳، مولانا شبلیؒ، ۱/ ۲۶ اور مابعد، حجۃ اللہ البالغہ، ۱/ ۲۷)

بکر بن وائل کے ہی ایک عظیم جاہلی شاعر اعشیٰ بن قیس بن ثعلبہ کا ذکر ابن ہشام نے کیا ہے، ان کی روایت تو یہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لانے کے ارادے سے وطن سے نکلے تھے اور اس ضمن میں ایک مدحیہ قصیدہ بھی کہا تھا، ابن ہشام نے اسے نقل کیا ہے، روایت کے بہ موجب جب وہ مکہ مکرمہ پہنچے تو قریش نے ان کو ورغلا دیا اور وہ یہ کہہ کر لوٹ گئے کہ اگلے سال اسلام قبول کریں گے مگر موت نے مہلت نہ دی اور وہ اسی سال جاں بحق

ہوگئے، ان کے مدحیہ قصیدہ میں کچھ اشعار بتوں کی پرستش سے ان کی بے زاری، اللہ کی عبادت گزاری اور موت کی جاں گساری کا ذکر کرتے ہیں:

وَلاالنُصُبَ المنصوبَ لاتَنسُکَنَّهُ وَلا تَعْبُدِ الاَوْثَانَ وَ اللّٰهَ فاعْبُدا

(ابن ہشام، ۱/ ۴۱۱ - ۴۱۶ بالخصوص ۴۱۴ برائے شعر)

قبیلہ/ بطنِ ایاد کے ایک اور حنیف حضرت وکیع بن سلمہ بن زہیر ایادی تھے جن کا ذکر سید مودودیؒ نے کیا ہے، (تفہیم القرآن، ۴/ ۳۷، آلوسی، بلوغ الارب، ۲/ ۲۶۰ - ۲۶۱ بحوالہ ابن الکلبی) آلوسی کے مطابق ابن الکلبی نے بیان کیا ہے کہ وکیع بن سلمہ جرہم کے بعد بیت اللہ کے متولی بنے تھے اور زیریں مکہ میں ایک بنیاد (صوحا) انہوں نے بنایا تھا اور اس میں ایک ''امۃ'' بنائی جس کو حزورہ کہا جاتا تھا، اسی میں وہ چڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے تھے اور عمدہ باتیں کرتے تھے، علمائے عرب کا خیال ہے کہ وہ صدیقین میں سے ایک صدیق تھے، ان کے کلام کے چند جملے بھی نقل کیے ہیں اور وصیت بھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنیفیت کے قایل تھے، ان کی وفات ہوئی تو زبردست نوحہ اور ماتم کیا گیا اور اس کے بارے میں ہم قبیلہ شاعر بشیر بن حجیر ایادی نے اشعار کہے جن میں سے دو میں توحید وعبادت الٰہی اور تولیت کعبہ کا ذکر موجود ہے:

ونحن إیاد عباد الالٰہ ورھط مناجیه فی سلم

ونحن ولاة الحجاب العتیق (زمان النخاع) علی جرھم

ان اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بطن ایاد کے صرف یہ دو بزرگ ہی حنفاء میں شامل نہیں تھے بلکہ شاعر بشیر ایادی بھی شامل تھے اور ان کی تصدیق کے مطابق پوری ''قوم ایاد'' عبادت اللہ کی قایل تھی کہ وہ ''عباد اللہ'' تھے، سب نہ بھی رہے ہوں تو کم از کم معتدبہ تعداد تو حنیف ہی معلوم ہوتی ہے۔

بنوعامر بن صعصعہ ایک بڑے قبیلہ ہوازن کا عظیم ترین بطن بنوعامر بن صعصعہ تھا جو مکہ مکرمہ اور طایف سے مربوط رہا تھا، وہ اپنی عددی طاقت اور عظمتِ افراد کے سبب خود ایک عظیم قبیلہ بن گیا تھا، اس کو قریش کے بعد بڑے قبایل میں سمجھا جاتا تھا، وہ مختلف علاقوں میں پھیلا ہوا تھا لیکن اس کی بیشتر شاخیں مکہ، طایف اور مدینہ کے قرب وجوار میں آباد وسکونت پذیر تھیں۔ (عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، باب دوم، ۱۵۱ - ۱۵۴ اور مابعد بالخصوص اس کے حواشی)

اس قبیلہ کے ایک عظیم شاعر النابغہ الجعدی تھے، ''...... جاہلیت کے زمانے میں دین ابراہیمی اور حنیفیت کا ذکر کیا کرتے تھے، روزے رکھتے تھے اور استغفار کرتے تھے، ان کے زمانۂ جاہلیت کے کلام میں توحید اور حیات بعد موت اور جزا وسزا اور جنت و دوزخ کا ذکر ملتا ہے، بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا''، (مودودی، سیرت، ۲/۷، بحوالہ الاستیعاب، ۱/۳۱۰) اسد الغابہ میں بھی ان کے توحیدی اشعار، دین ابراہیمی اور حنیفیت اور روزہ واستغفار کا ذکر پایا جاتا ہے، ابن قتیبہ نے بھی ذکر کیا ہے، النابغہ ان کی شعری و بلاغی صلاحیت کے سبب ان کا لقب تھا، ان کا اصل نام صحیح ترین قول کے مطابق قیس بن عبداللہ بن وحوح بن عدس بن ربیعہ بن جعدہ تھا، وہ نابغہ ذبیانی سے زیادہ معمر تھے کیوں کہ نابغہ ذبیانی شاہ حیرہ نعمان بن منذر کے ندیم تھے اور نابغہ جعدی اس کے پیش رو منذر بن محرق کے ندیم تھے کہا جاتا ہے کہ ان کو ایک سو اسی سال کی عمر عطا ہوئی تھی یا زیادہ، وہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ خلافت یا اس کے بعد تک حیات رہے، انہوں نے نعتیہ قصاید بھی کہے تھے، (بلوغ الارب ۳/۱۳۷-۱۳۸) ابن اثیر، اسد الغابہ، ۵/۲-۴: ''وکان یذکر فی الجاهلیة دین ابراهیم والحنیفیة ویصوم ویستغفر......''۔

حضرت لبید بن ربیعہ عامری بنو عامر بن صعصعہ کے دوسرے بڑے شاعر اور حنیف تھے اگرچہ ان کا ذکر خیر احناف جاہلیت میں بالعموم نہیں کیا جاتا، ان کا تعلق ایک دوسری شاخ قبیلہ بنو کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ سے تھا، امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے ذکر کے ضمن میں حضرت لبید اور ان کے صادق ترین کلمہ شاعر کا حوالہ آیا ہے وہ یہی حضرت لبید ہیں اور وہ بعد میں مسلمان بھی ہوگئے تھے، ان کے اشعار میں الٰہ واحد، اللہ عز وجل اور توحید کے علاوہ آخرت وبعث بعد الموت اور نبوت و رسالت وغیرہ کا بھی ذکر ملتا ہے، قریش اور اکابر مکہ سے ان کے قریبی روابط تھے اور انہیں کی ایک مجلس میں انہوں نے اپنے مذکورہ حمدیہ اشعار سنائے تھے، یہ اشعار اور دوسرے حنفی اشعار عہد نبوی کے ابتدائی مکی دور میں مقبول و رائج بھی تھے، ان کی حنیفیت کا حوالہ ملے یا نہ ملے وہ یقیناً ''حنیف'' تھے کہ کلام، رسول اکرم ﷺ اور ان کے معاصر قریشی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (ابن ہشام، ۱/۳۹۲ و مابعد، ۲/۱۵۷ وغیرہ، ۴/۱۴۳ وغیرہ، سہیلی ۳/۳۴۴-۳۴۹-۳۵۲ و مابعد در مجلدات دیگر، بخاری، الجامع الصحیح، بلوغ الارب، ۳/۱۳۰-۱۳۳، بحوالہ ابن قتیبہ، الشعر والشعراء، ابن عبد البر، الاستیعاب، ابوحاتم السجستانی، کتاب المعمرین)

(باقی)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے چند مکتوبات

از جناب عبیداللہ، ایم-اے☆

''ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے خاندان کی ایک شاخ حیدر آباد میں اور دوسری مدراس میں آباد ہے، بعد میں لوگ پاکستان وغیرہ میں بھی آباد ہوئے ہوں گے، جناب عبیداللہ صاحب کا تعلق مدراس کے خانوادے سے ہے، وہ رشتے میں ڈاکٹر صاحب کے بھتیجے اور کتب خانہ باغ دیوان صاحب اور مدرسہ محمدی چنئی کے مہتمم ہیں، یہ کتب خانہ بیش قیمت نوادر اور مخطوطات پر مشتمل ہے، راقم کو دو بار مدراس جانے کا اور کتب خانہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، عبیداللہ صاحب نے ہر بار کمال شفقت سے کتب خانے کے نوادر دکھائے اور بڑی تواضع سے پیش آئے، وہ جس قدر توجہ اور دلچسپی سے اس خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں، یہ ان کا قابل ستایش کارنامہ ہے۔

جناب عبیداللہ صاحب ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے ان کی زندگی میں افادۂ عام کے لیے ان کی کتابیں اور مضامین ٹمل زبان میں شایع کرتے رہے ہیں، ان کے پاس ڈاکٹر صاحب کے خطوط کا بھی بڑا ذخیرہ ہوگا جن میں سے چند مکاتیب معارف میں اشاعت کے لیے ہم کو بھیجے ہیں، اس سے ان کے بلند علمی ذوق کا پتا چلتا ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے مکاتیب کی اشاعت کے لیے مناسب جگہ اور ڈاکٹر صاحب کے سب سے محبوب رسالے کا انتخاب کیا، جس کے لیے راقم ان کا بے حد ممنون ہے۔

یہ مکاتیب علمی، دینی اور فقہی معلومات کا خزانہ ہیں لیکن چوں کہ استفسارات کے جواب میں لکھے گئے ہیں اس لیے لائق مرتب نے ڈاکٹر صاحب کے جواب کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ہر خط سے پہلے اپنے خط کے سوالات و مندرجات کا خلاصہ دے دیا ہے،

☆20/44 پڈپیٹ، گارڈن اسٹریٹ، چنئی

ڈاکٹر صاحب کا ہر خط بسم اللہ سے شروع ہوا ہے اور عموماً عربی اور کہیں انگریزی تاریخیں لکھی ہوئی ہیں، مکتوب الیہ مکتوب نگار کے خاندانی عزیز ہیں اس لیے خطوط کی ابتدا و آخر میں خاندان کے اعزہ کی خیریت طلبی وغیرہ کا ذکر بھی آگیا ہے، اسے سب کو تبرکاً باقی رہنے دیا گیا ہے۔ (ض)

راقم نے اپنے مکتوب میں ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی تھی کہ مکہ معظمہ میں قاضی سید شاہ محمد جو اس خاندانی سلسلہ کے ۱۷ویں قاضی تھے انتقال کر گئے اور اب قاضی محمد عزیز الدین نے قضاءت کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں اور حکومت ٹملناڈو نے بھی ان کو سرکاری قاضی مقرر کر دیا ہے۔

اس اطلاع کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی دریافت کیا تھا:

۱- رویت ہلال کے مسئلے کا حل کیا ہے؟

۲- کیا موذن کے بجائے ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی اذان دی جاسکتی ہے؟

۳- عورت کا دودھ محفوظ کر کے بازاروں میں فروخت ہوتا ہے، کیا نوزائیدہ بچوں کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

بسم اللہ

پاریس، ۱۷ ذی حجہ ۱۴۰۲ھ

عزیزی سلمک اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب، آج شام آپ کا خط ملا، شکریہ، افسوس ہوا کہ شاہ محمد صاحب کا حج کے مبارک زمانے میں انتقال ہوگیا، اللہ جنت الفردوس میں جگہ دے۔

اہل خاندان کو چاہیے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے پر توجہ کریں، ایک کے بعد ایک پرانے پڑھے لکھے لوگ ختم ہو رہے ہیں اور ان کی جگہ لینے والے نوجوان بالکل غیر موجود ہیں، اللہ رحم فرمائے۔

آپ کے سوالوں کے متعلق میری حقیر رائے یہ ہے:۔

۱- بقرعید کے لیے جلدی نہیں ہوتی لیکن رمضان کے لیے انتظار ناممکن ہے، میری دانست میں ٹیلی فون قابل اعتماد ہے لیکن اس کا اطمینان حاصل کرنا ہوگا کہ کون بول رہا ہے اور وہ

قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ ورنہ خوف ہے کہ نامعلوم شریر لوگ ٹیلی فون پر من مانی باتیں کر کے قاضی کو دھوکہ دیں، ایک حل ممکن ہے مگر اس کو وقت لگے گا، وہ یہ کہ صوبہ تامل ناڈ کے ہر بڑے شہر کی بڑی مسجد کو ایک تنظیم میں داخل کیا جائے اور رویت کے شاہد قریب ترین شہر کی بڑی مسجد کے امام کے سامنے شہادت دیں اور وہ امام قاضی مدراس کو ٹیلی فون کرے۔

۲- اذان کو انسان دے سکتا ہے، مجھے ٹیپ رکارڈ یا گراما فون رکارڈ پسند نہیں کہ اس کی ضرورت نہیں، انسانی آواز بہتر ہے اور اذان کوئی مشکل چیز نہیں، اَن پڑھ بھی اذان دے سکتا اور چودہ سو برس سے دیتا رہا ہے ...... یہ اسلام کے دین فطرت ہونے کی مجھے توہین معلوم ہوتی ہے۔

۳- عورت کا دودھ محفوظ کر کے نوزائیدہ بچوں کو دینا: یہ سوال چالیس پچاس برس پہلے حیدرآباد میں اٹھا تھا اور مولانا مناظر احسن صاحب مرحوم نے فتویٰ اخباروں میں شایع کیا تھا کہ وہ جائز ہے اور یہ کہ اس سے بچہ مَحرم نہیں بنتا کیوں کہ رضاعی ماں (دودھ دینے والی عورت) غیر معروف ہوتی ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی کے بعد اب ہم کو کیسے اختلاف ہوسکتا ہے؟

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔

عزیز[1] محترم مولانا عزیز الدین صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، عنایت نامہ ملا، کہہ نہیں سکتا کہ کتنی مسرت ہوئی، خدا آپ کو تادیر سلامت رکھے اور روز افزوں دینی خدمت کا موقع عطا فرمائے۔

طالب دعا

م۔ ح ا

مفتی محمود (المتوفی ۱۳۴۵ھ) بن قاضی بدرالدولہ کو علم ہیئت سے بھی خاص دل چسپی تھی انہوں نے اس فن میں اتنا کمال پیدا کیا تھا کہ اوقات معلوم کرنے کے لیے کئی دھوپ گھڑیاں ایجاد کیں اور انہیں مختلف مساجد میں آویزاں کیا، بہ قول پروفیسر مولانا محمد یوسف کوکن خانہ کعبہ کے احاطہ میں بھی ان کی لگائی ہوئی دھوپ گھڑی موجود تھی، مفتی محمود کا زندۂ جاوید کارنامہ شہر چنئی کے مروجہ اوقات الصلوٰۃ ہے۔

[1] معلوم ہوتا ہے مذکورہ بالا گرامی نامہ کی پشت پر ہی یہ خط درج تھا۔ (ض)

مفتی محمود شاہ پیر ابو احمد بھوپالی کے خلفا و مسترشدین میں تھے، راقم نے اسی سلسلے میں ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا تھا کہ چارٹ اور رصدگاہ کے اوقات (طلوع آفتاب اور غروب آفتاب) میں چند منٹ فرق پایا جاتا ہے، انہوں نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

بسم اللہ

پاریس، ۹ر ربیع الانور ۱۴۰۴ھ

عزیزی سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب، دو دن ہوئے آپ کا خط ملا، خیریت و عافیت کی اطلاع سے مسرت ہوئی۔

طلوع و غروب کے اوقات میں فرق ہوتا رہتا ہے، ہر سال ایک آدھ منٹ کا فرق ہو کر پانچ چھے سال بعد مکرر پرانا وقت آجاتا ہے اور طویل عرصہ مثلاً پچاس سال کا ہو تو بھی خفیف فرق ہو سکتا ہے۔

مگر صرف یہی نہیں پاریس میں طلوع سے مراد سورج کے اوپر کی نوک نہیں بلکہ سورج کا وسط لیا جاتا ہے (جس سے دو منٹ کا فرق ہو جاتا ہے) اور غروب سے اوپر کی نوک کا بھی غائب ہونا نہیں بلکہ سورج کا مرکز لیا جاتا ہے، شرعی نقطۂ نظر سے یہ غلط ہے، معلوم نہیں مدراس کی رصدگاہ کا کیا اصول ہے؟

چوں کہ باغ دیوان دیوان صاحب کے وقت نامے میں طلوع ۶/۴۰ اور رصدگاہ میں ۶/۱۷ ہے، اس لیے احتیاطاً ۶/۱۷ کا اختیار کرنا ضروری ہے، (۶/۴۰ پر فجر کی نماز قضا ہو جائے گی)، اسی طرح آپ کا غروب ۵/۴۸ اور رصدگاہ کا ۵/۱۳ ہے اس لیے افطار احتیاطاً ۵/۱۳ پر کرنی مناسب ہے، رمضان کے باہر بھی لوگ روزہ رکھتے ہیں، ان کا روزہ خراب نہیں کرنا چاہیے۔

یوں بھی مدراس کا وقت من و عن سارے صوبے میں کام نہیں دے گا، فرانس کے لیے ہم نے فرانس کے ۱۳۰ شہروں کے الگ الگ وقت نامے تیار کیے ہیں جن میں چند چند منٹ کا فرق ہے۔

والدہ صاحبہ کو سلام، سب کو سلام، یاد آتے ہیں ۔

م۔ح!

میں نے اپنے مکتوب میں قرآن مجید کے ترجموں کی تفصیل اور ان کی زیراکس کا پیاں طلب کی تھیں اور بہائی فرقہ اور انسانی اعضا کی پیوندکاری کے متعلق دریافت کیا تھا کہ کیا ایک آدمی کے اعضا دوسرے آدمی کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں، اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کا حسب ذیل گرامی نامہ موصول ہوا، ملاحظہ فرمائیے!

بسم اللہ

پاریس ۲۶ر جمادی الآخرہ ۱۴۰۴ھ

عزیزی، سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب۔

قاضی عزیز الدین صاحب کا خط ملا، دلی شکریہ، اللہ ان کو تادیر صحت و عافیت سے رکھے، خدا ایوب صاحب کو بھی جزائے خیر دے۔

عمر جان کے کتب خانے میں کیا فروخت کے لیے ہیں یا ان کا ذاتی ذخیرہ ہے؟ مجھے مالدیپی ترجمہ قرآن مجید کا بالکل علم نہیں، اگر خرید سکتے ہیں تو ضرور ایک نسخہ مجھے روانہ فرمائیں اور مصارف سے اطلاع دیں تو بھجواتا ہوں، دیگر زبانوں کے مولف (مترجم) کا نام معلوم ہو سکتا ہے تو اطلاع دینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

ایک نیا ترجمہ مَیتھلی زبان کا (قلمی) ملا ہے، غالباً اُڑیہ زبان کا آپ کو بھیج چکا ہوں، کیا زُلو بھی آپ کے پاس ہے؟ انگلستان کے ویلز کی زبان کے ترجمے کی فراہمی کے لیے کوشش کر رہا ہوں۔

بہتر یہ ہوگا کسی دن آپ اپنے پاس کے ترجموں کی فہرست مجھے لکھ بھیجیں، پھر معلوم کرنا آسان ہوگا کہ آپ کے پاس کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔

ایک آدمی کے اعضا کا دوسرے کے لیے استعمال کرنا نئی چیز ہے، قرآن و حدیث اور قدیم کتب فقہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، اب اجتہاد کرنا پڑے گا اور اس میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے، اعضا کی قطع و برید سے (جسے مثلہ کہتے ہیں) حدیث میں منع کیا گیا ہے لیکن یہ دشمن کے مردے کی توہین سے متعلق ہے، خَیرُ النّاسِ مَن ینفع النّاس ایک حدیث ہے، اس کی اساس پر میں ڈرتے ڈرتے کہہ سکتا ہوں کہ ایسی وصیت جائز ہے، واللہ اعلم۔

بہائی فرقے والے خود ہی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں، وہ دیگر انبیاء وغیرہ کی طرح حضرت رسول اللہ ﷺ کو بھی ایک نبی مانتے ہیں لیکن آخری نبی نہیں اور عمل بھی اپنے بانی بہاء الدین کی باتوں پر کرتے ہیں نہ کہ قرآن وحدیث پر، ان حالات میں ان کو مسلمان نہیں قرار دیا جاسکتا، واللہ اعلم۔

سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

م۔ ح ا

میں نے تفویض الطلاق کے متعلق ان کی رائے معلوم کرنی چاہی تھی اور خاندانی کتب خانے کے قدیم مخطوطات کی تفصیل قلم بند کی تھی، اس کے جواب میں یہ خط موصول ہوا۔

بسم اللہ

جمعہ یکم رمضان ۱۴۰۴ھ

یکم جون ۱۹۸۴ء

عزیزی، سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل ومطلوب، آپ کا خط ملا ممنون ہوا، خیریت وعافیت کی اطلاع سے مسرت ہوئی، باہر کے لوگوں کو فوٹو دینے سے آپ کو ثواب ملے گا، فرانس میں قلمی کتابوں کی فوٹو کاپی نہیں دیتے، فلم پر فوٹو لے کر چھاپتے ہیں، فوٹو کاپی سے کہتے ہیں کہ قلمی کتاب خراب ہوجاتی ہے، واللہ اعلم۔

غالباً مالدیپ کی زبان کا ترجمۂ قرآن ابھی دست یاب نہیں ہوا، ممکن ہو تو اس کے سورۂ فاتحہ کی فوٹو کاپی ہی لے لی جاسکتی ہے اور ٹائٹل کی بھی تاکہ مولف کے نام ومقام وزمان کا علم ہوسکے، واللہ المستعان۔

کیا وہاں المعجم الکبیر للطبرانی موجود ہے؟ آپ نے ناصر الدین محمد صاحب مرحوم کے ہاں کی "فہرست معجم الطبرانی" کا ذکر کیا ہے۔

"طلاق تفویضی" (تفویض الطلاق) کے معنے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو خود طلاق براہ راست دینے کی جگہ طلاق دینے کا کام کسی اور کے تفویض (سپرد) کرتا ہے، حتی کہ خود اپنی بیوی کو کہ وہ

جب چاہے اپنے کو طلاق دے کر نکاح اور زوجیت کو ختم کردے۔

یہ چیز عرب میں قبل اسلام سے موجود تھی اور اسلام نے اسے برقرار رکھا، چنانچہ مورخ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پردادا ہاشم نے مدینہ منورہ کی ایک عورت سے نکاح کیا تو بیوی نے اسی شرط پر نکاح قبول کیا کہ اسے طلاق کا حق رہے گا، پھر اس نکاح سے عبدالمطلب (رسول اللہ کے دادا) کی ولادت ہوئی۔

یہ سارے اسلامی مذاہب میں ہے، مثلاً احمد جنگ (حیدرآباد) کی شافعی فقہ کی اردو کتاب میں، المبسوط میں صفحہ ۴۹۱ پر بھی اس کا ذکر ہے، تفویض طلاق عقد نکاح کے وقت بھی ہوسکتی ہے نکاح کے بعد میاں اور بیوی کے باہمی رضامندی سے، طلاق کا حق ہے تو صرف شوہر کو اور وہ شوہر ہی کسی کو اپنے اختیار سے سپرد کرتا ہے۔

آپ نے ذخیرۂ محمد غوث مرحوم میں الفضل العمیم فی اخطاع بنی تمیم کا ذکر کیا ہے، کیا یہ سیوطی کی کتاب ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی فرصت میں اس میں جو پروانہ ہائے جاگیر ہیں ان کی نقل مجھے بھیج سکتے ہیں؟ غالباً وہاں میری الوثائق السیاسیہ ہوگی، اس کے نمبر ۴۳-۴۴-۴۵،۴۶ پر ان کا ذکر ہے، ممکن ہے الفضل العمیم میں بھی ان کا ہی ذکر ہو، زحمت دہی پر معافی چاہتا ہوں۔

تامل کتاب "تعارف اسلام" غالباً بکی نہیں ہے۔

خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو، سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

م۔ ح ا

بسم اللہ

۱۹/رمضان ۱۴۰۴ھ

منگل

عزیزی، سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل ومطلوب، خدا آپ کو جزائے خیر اور حسنات دارین عطا فرمائے، الفضل العمیم کی فوٹو کاپیاں پہنچ گئیں، آپ کو بڑی زحمت ہوئی، ممنون ہوں، میں نے مصر کو لکھا ہے کہ تحقیق کریں کہ آیا یہ سیوطی کا رسالہ ہے جس کا ایک نسخہ وہاں ہے۔

بہائی فرقے والے خود ہی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں، وہ دیگر انبیاء وغیرہ کی طرح حضرت رسول اللہ ﷺ کو بھی ایک نبی مانتے ہیں لیکن آخری نبی نہیں اور عمل بھی اپنے بانی بہاء الدین کی باتوں پر کرتے ہیں نہ کہ قرآن وحدیث پر، ان حالات میں ان کو مسلمان نہیں قرار دیا جاسکتا، واللہ اعلم۔

سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

م۔ ح ا

میں نے تفویض الطلاق کے متعلق ان کی رائے معلوم کرنی چاہی تھی اور خاندانی کتب خانے کے قدیم مخطوطات کی تفصیل قلم بند کی تھی، اس کے جواب میں یہ خط موصول ہوا۔

بسم اللہ

جمعہ یکم رمضان ۱۴۰۴ھ
یکم جون ۱۹۸۴ء

عزیزی، سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل ومطلوب، آپ کا خط ملا ممنون ہوا، خیریت وعافیت کی اطلاع سے مسرت ہوئی، باہر کے لوگوں کو فوٹو دینے سے آپ کو ثواب ملے گا، فرانس میں قلمی کتابوں کی فوٹو کاپی نہیں دیتے، فلم پر فوٹو لے کر چھاپتے ہیں، فوٹو کاپی سے کہتے ہیں کہ قلمی کتاب خراب ہوجاتی ہے، واللہ اعلم۔

غالباً مالدیپ کی زبان کا ترجمۂ قرآن ابھی دست یاب نہیں ہوا، ممکن ہو تو اس کے سورۂ فاتحہ کی فوٹو کاپی ہی لے لی جاسکتی ہے اور ٹائٹل کی بھی تاکہ مولف کے نام ومقام وزمان کا علم ہوسکے، واللہ المستعان۔

کیا وہاں المعجم الکبیر للطبرانی موجود ہے؟ آپ نے ناصر الدین محمد صاحب مرحوم کے ہاں کی "فہرست معجم الطبرانی" کا ذکر کیا ہے۔

"طلاق تفویضی" (تفویض الطلاق) کے معنے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو خود طلاق براہ راست دینے کی جگہ طلاق دینے کا کام کسی اور کے تفویض (سپرد) کرتا ہے، حتی کہ خود اپنی بیوی کو کہ وہ

جب چاہے اپنے کو طلاق دے کر نکاح اور زوجیت کو ختم کردے۔

یہ چیز عرب میں قبل اسلام سے موجود تھی اور اسلام نے اسے برقرار رکھا، چنانچہ مورخ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پردادا ہاشم نے مدینہ منورہ کی ایک عورت سے نکاح کیا تو بیوی نے اسی شرط پر نکاح قبول کیا کہ اسے طلاق کا حق رہے گا، پھر اس نکاح سے عبدالمطلب (رسول اللہ کے دادا) کی ولادت ہوئی۔

یہ سارے اسلامی مذاہب میں ہے، مثلاً احمد جنگ (حیدر آباد) کی شافعی فقہ کی اردو کتاب میں، المبسوط میں صفحہ ۴۹۱ پر بھی اس کا ذکر ہے، تفویض طلاق عقد نکاح کے وقت بھی ہوسکتی ہے نکاح کے بعد میاں اور بیوی کے باہمی رضامندی سے، طلاق کا حق ہے تو صرف شوہر کو اور وہ شوہر ہی کسی کو اپنے اختیار سے سپرد کرتا ہے۔

آپ نے ذخیرۂ محمد غوث مرحوم میں الفضل العمیم فی اخطاع نبی تمیم کا ذکر کیا ہے، کیا یہ سیوطی کی کتاب ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی فرصت میں اس میں جو پروانہ ہائے جاگیر ہیں ان کی نقل مجھے بھیج سکتے ہیں؟ غالباً وہاں میری الوثائق السیاسیہ ہوگی، اس کے نمبر ۴۳-۴۴، ۴۵-۴۶ پر ان کا ذکر ہے، ممکن ہے الفضل العمیم میں بھی ان کا ہی ذکر ہو، زحمت دہی پر معافی چاہتا ہوں۔

تاحال کتاب "تعارف اسلام" غالباً بکی نہیں ہے۔

خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو، سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

م۔ ح ا

بسم اللہ

۱۹؍رمضان ۱۴۰۴ھ
منگل

عزیزی، سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل ومطلوب، خدا آپ کو جزائے خیر اور حسنات دارین عطا فرمائے، الفضل العمیم کی فوٹو کاپیاں پہنچ گئیں، آپ کو بڑی زحمت ہوئی، ممنون ہوں، میں نے مصر کو لکھا ہے کہ تحقیق کریں کہ آیا یہ سیوطی کا رسالہ ہے جس کا ایک نسخہ وہاں ہے۔

انگلستان کی Weleh (ویلز کی) زبان کا ترجمہ سورۂ فاتحہ حاصل ہوا ہے چوں کہ مختصر ہے اسے نقل کرا دیتا ہوں وہاں ٹائپ کرا لیجیے اور اپنی فہرست میں بڑھا لیجیے:

Welsh (language of Wales, England) translation of the sura al-Fatihah:

Yn Enw Yr Hall Drugarog Dduw.

1- Bendith i Dduw, Arglwydd y bydedd.

2- Yr Hall Drugarog Dduw.

3- Perchennog Dydd y Farn.

4- Fe addolwn di ac ofyunwy an Dy gymaroth.

5- Llwia ni ary llwylor iawn.

6- Y llwybr yr rhai yr wyt ti wedi eu benedithio.

7- Nid llybr yrhai sydd wedi tramgwyddo, nallwybr defaid colledig.

(5th June 1984, Secratary to the Lord Mayor of Cardiff)

خدا کرے وہاں اور سب خیر و عافیت ہو، سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

عید مبارک ہو۔ م۔ح ا

میں نے عرض کیا تھا کہ رویت ہلال کا اعلان کون کرسکتا ہے یعنی کس کو اعلان کرنے کا حق ہے؟ کیا ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے پر رویت کا اعلان کیا جا سکتا ہے، جواباً تحریر فرمایا:

بسم اللہ

۲۸/ذی حجہ ۱۴۰۵ھ

عزیزی خوش رہو۔

سلام خیریت حاصل و مطلوب، کل آپ کا مرسلہ خط ملا، ممنون ہوا، اللہ جزائے خیر دے۔

عباداتوں میں اصل اہمیت خشوع وخضوع اور اطاعت الٰہی کی رغبت کو ہے، دن اور وقت

کو نہیں، عہد صحابہ میں ایسے واقعات پیش آتے رہے کہ دار الخلافت دمشق میں رمضان ایک دن شروع ہوا اور مدینہ منورہ میں دوسرے دن اور حضرت ابن عباسؓ نے سن کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ ہر مقام اپنی رویت پر عمل کرے۔

رویت اور یوم عید کے اعلان کا حق اسلامی حکمراں کو ہوتا ہے اور جس ملک میں اسلامی حکمراں نہ ہو تو وہاں مسلمانوں کا دینی معاملات کے لیے جو صدر ہو، اسے یہ حق ہوتا ہے اور سب مقامی مسلمانوں کو اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے تاکہ امت کا اتحاد ظاہر ہو، اس میں انتشار نہ ہو۔

ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کا اثر زمین پر رہنے والوں پر قطعی نہیں ہوتا، آپ کی آنکھوں کے سامنے مطلع صاف ہو اور آفتاب ڈوب جائے اور پھر آپ ہوائی جہاز پر فوراً اڑیں تو سورج نظر آئے گا، جتنا اوپر اڑیں اتنی ہی دیر تک اور اڑنے میں آپ مغرب کی طرف جائیں تو سورج کبھی بھی غروب نہ ہوگا (اگر آپ کے ہوائی جہاز کی رفتار اتنی ہی ہو جتنی زمین کی گردش کی رفتار ہے، اگر زمین کی گردش کی رفتار سے بھی ہوائی جہاز کی رفتار تیز تر ہو تو ڈوبا ہوا آفتاب تھوڑی دیر میں مغرب سے طلوع ہوگا اور سویرے نکلا ہوا آفتاب مشرق میں غروب ہو جائے گا)، اس کے متعلق بھی حدیث میں صراحت ہے، ایک دن رسول اللہ ﷺ نے آفتاب کو ڈوبتا ہوا پا کر افطار کا حکم دیا، پاس ہی ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک صحابی نے چلا کر کہا: ابھی آفتاب موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہمارے لیے آفتاب ڈوب گیا، اس کے لیے ابھی نہیں ڈوبا۔

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو، سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

م۔ح ا

بسم اللہ

۲۶/شعبان ۱۴۰۶ھ

Centre Culturel Islamique
4, Ruedi Tournor,
Paris-6/ France.

عزیزی سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب۔

میں نے مدراس میں بائبل کا ایک فارسی ترجمہ دیکھا تھا، یاد نہیں یہ شرف الملک مرحوم کا

تھا یا ان کے والد کا، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ کو کچھ تفصیل دے سکیں، یہ صرف انجیل ہے یا توریت بھی، کتنے صفحے ہیں، کب لکھی گئی ہے؟

دلی شکریہ، رمضان مبارک[1]

محمد حمید اللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

محمد حمید اللہ بن ابو محمد خلیل اللہ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) بن قاضی محمد صبغۃ اللہ بدر الدولہ (المتوفی ۱۲۸۰ھ) بن محمد غوث شرف الملک (المتوفی ۱۳۳۸ھ) بن ناصر الدین محمد (المتوفی ۱۲۰۶ھ) بن قاضی نظام الدین احمد صغیر (المتوفی ۱۱۸۹ھ) بن قاضی عبد اللہ شہید (شہادت ۱۱۴۵ھ) بن قاضی نظام الدین احمد کبیر (المتوفی ۱۱۰۸ھ) بن قاضی حسین لطف اللہ بن قاضی رضی الدین مرتضیٰ بن قاضی محمود کبیر (المتوفی ۹۹۵ھ) بن قاضی احمد بن فقیہ ابو محمد بن فقیہ محمد اسماعیل بن فقیہ مخدوم اسحاق بن فقیہ عطاء احمد شافعی۔

توریت، زبور اور انجیل کا ترجمہ قاضی نظام الدین احمد صغیر نے کیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے اپنے مکتوب میں ترجمہ کے متعلق تفصیل طلب کی تھی، جو دی گئی، جواب میں ذیل کا مکتوب حاصل ہوا۔

جنوبی ہند اور خاص کر سابق صوبہ مدراس میں انگریزوں کے تسلط کی بناء پر عیسائیت کا بڑا چرچا ہونے لگا، عیسائی مبلغین کی روز بہ روز بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر قاضی نظام الدین احمد صغیر نے محسوس کیا کہ عربی تورات، زبور اور انجیل کا کم از کم فارسی میں ترجمہ کیا جائے تاکہ اس دین کی حقیقت سے عام مسلمان براہِ راست واقفیت حاصل کر کے یہودیوں اور عیسائیوں کی تردید کر سکیں، چنانچہ قاضی نظام الدین احمد صغیر نے ۱۱۵۲ھ میں عربی زبور کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اس کا نام سرور الصدور بہ ترجمہ معرب الزبور رکھا اور اس کے بعد انہوں نے انجیل کا ترجمہ فیض الجلیل

[1] اس کے اور بعد کے والا نامے کے سلسلے میں مرتب نے جو وضاحتی تحریر لکھی ہے، اس میں ڈاکٹر صاحب کے سلسلۂ نسب کی تفصیل درج کی اور زبور وانجیل کے بارے میں استفسار کا جواب بھی دیا ہے جس سے آگے کے گرامی نامہ کا پس منظر بھی سامنے آجاتا ہے، آگے متن میں پہلے مرتب کی وضاحت اور آخر میں ڈاکٹر صاحب کا مکتوب گرامی ملاحظہ ہو۔ ''ض''

فی ترجمۃ معرب الانجیل رکھا۔

بسم اللہ

۱۶ر رمضان ۱۴۰۶ھ

عزیزی خوش رہو

سلام خیریت حاصل و مطلوب، آپ کا خط ملا، آپ نے بڑی زحمت اٹھائی ہے، اللہ جزائے خیر دے، حیرت ہوئی کہ ہمارے اجداد نے بائبل کا اتنا گہرا مطالعہ کیا، کیمبرج کے ایک پادری نے لکھا ہے کہ ہمارے خاندان کے ان ترجموں کے تین اور ہم عصر فارسی ترجمے بائبل کے وہاں موجود ہیں، اللہ ان بزرگوں کو اعلائے علیین میں جگہ دے اور ہم کو ان باتوں کی توفیق عطا فرمائے جن میں اس کی رضامندی ہو۔

الحمد للہ اب شہر پیرس میں تقریباً اسّی ہزار یوروپی نو مسلم ہوگئے ہیں، ہر روز آٹھ دس نئے بھی مسلمان ہوتے رہتے ہیں، دیگر شہروں میں اور یوروپ کے دیگر ملکوں میں اس کے علاوہ ہیں۔

خدا کرے وہاں سب خیریت و عافیت ہو۔ م۔ح ا

قاضی محمد عزیز الدین کے انتقال کے بعد ان کے فرزند قاضی صلاح الدین محمد ایوب نے قضاءت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، وہ اس سلسلہ کے ۱۹ ویں قاضی ہیں اور جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل ہیں، حکومت ٹملناڈ نے بھی ان کا تقرر کیا، شہر چنئی کے موجودہ قاضی یہی ہیں، میرے مکتوب میں ڈاکٹر صاحب کو اس تقرر کی اطلاع دی گئی تھی اور بہائی مذہب کے ایک مبلغ رشاد خلیفہ کی اسلام دشمنی کی تفصیل بھی دی گئی تھی، مولوی عبد الوہاب کی جنہوں نے ٹمل میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا، ان کی سوانح عمری بھیجی گئی تھی اور خطبات بھاول پور کے انگریزی ترجمے کی فرمائش کی گئی تھی اور اسلاف خاندان کے متعلق بھی لکھا گیا تھا، ان تمام امور کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ ذیل گرامی نامہ تحریر فرمایا، ملاحظہ ہو:

بسم اللہ

۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ

عزیزی خوش رہو

سلام خیریت حاصل ومطلوب، ابھی ابھی آپ کا خط آیا، زحمت فرمائی پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے، براہ کرم تامل قرآن مجید کا ہدیہ اور مصارف ڈاک سے اطلاع دیجیے، ممنون ہوں گا۔

ایوب صاحب کے تقرر پر مسرت ہوئی، اللہ ان کو روز افزوں توفیق حسنہ عطا فرماتا رہے، آمین۔

رشاد خلیفہ بہائی مذہب کے ہیں اور ان کے نظریات جھوٹ پوٹ بھی ہیں، بعض الفاظ کو کہتے ہیں کہ ۱۹ دفعہ آئے ہیں اور وہ غلط ہے، قرآن میں لفظ اُنیس کو کوئی اہمیت نہیں، دوزخ کے نگراں فرشتے ۱۹ ہیں اور بس بہائی مذہب کے بانی بہاء اللہ کی ولادت ۱۹ر تاریخ کو ہوئی، اسی کے لیے یہ گورک دھندا ہے۔

میں ۸۱ سال کا بوڑھا ہو کر حافظہ کمزور ہو گیا ہے، عبدالوہاب صاحب کی تاریخ پیدائش آپ نے ساتھ میں لکھی تھی تو اس خط کا پہنچنا یاد نہیں رہا، معاف فرمادیں۔

جشن میلاد شریف پر میں نے تو انگریزی میں کچھ نہیں لکھا، کسی اور نے خود ہی انگریزی ترجمہ کیا اور چھاپا ہے تو مجھے علم نہیں۔

خطبات بہاول پور کا مصحح نیا اڈیشن اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد نے چند ماہ ہوئے چھاپا ہے، مجھے تو نہ طاقت ہے اور نہ فرصت کہ اس کا خود انگریزی ترجمہ کروں، آپ چاہیں تو یونیورسٹی کے وائس چانسلر یا Rector کو توجہ دلایے، شاید اللہ انتظام فرمائے، اس کا تعلق اب بہاول پور یونیورسٹی سے نہیں ہے۔

اسلاف خاندان کے حالات افسوس ہے کہ مجھے معلوم نہیں اور نہ یہاں اس کا مواد مل سکتا ہے۔

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو، ایوب صاحب کو بھی سلام اور مبارک باد، معاید جی صاحب[1] (؟) کو مرسلہ ترجمہ کے مصارف کا انتظار رہے گا۔

م۔ ح ا

ڈاکٹر صاحب کا مضمون ''جشن میلاد'' اردو، انگریزی اور ٹمل میں طبع کرا کے تقسیم کیا تھا، ذیل کے مکتوب میں ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون میں ایک نیا پیراگراف کا اضافہ کرنے کے

[1] نام صحیح پڑھا نہیں جا سکا۔

لیے تحریر فرمایا ہے۔

بسم اللہ

۱۲ر ربیع الانور ۱۴۰۷ھ

عزیزی سلمک اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب، عید میلاد مبارک۔

غالباً آپ کا رسالہ اردو، انگریزی اور ٹمل میں جشن میلاد کے متعلق چھپ کر تقسیم ہو گیا ہوگا اب ایک نئی چیز ذہن میں آئی ہے، ممکن ہے آئندہ اڈیشن میں رسالے میں کسی جگہ نیا پیراگراف کر کے بڑھا دیا جا سکتا ہے، اردو اور انگریزی دونوں میں یہاں درج کرتا ہوں:

''اور تو اور، پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کا جشن میلاد منانے پر اللہ تعالیٰ نہ صرف مومنوں بلکہ کافروں پر بھی کچھ نہ کچھ نوازش فرماتا ہے، ابولہب کی شیطنت سے کون واقف نہیں؟ خود اس کے متعلق صحیح بخاری میں یہ حدیث مروی ہے کہ ''ایک پیر کے دن ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دوڑتے ہوئے آکر ابولہب کو اطلاع دی کہ اس کے بھائی عبداللہ کے گھر میں محمدؐ نامی ایک بیٹا پیدا ہوا ہے، فرط مسرت سے ابولہب نے اپنی انگلی سے اسے اشارہ کیا کہ جا، اب تو آزاد ہے، اب دوزخ میں ہر ہفتہ پیر کے دن ابولہب کی اس انگلی سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی نکلنے لگتا ہے جس کو وہ چوس کر متمتع ہوا کرتا ہے''۔

Celebration of the Birth of his beloved Prophet, not only the believers but even the miscreants. Who does not know the name of the devilish Abu Lahab? There is a Hadith reproted in the Sahih of Imam Bukhari to the following effect. On a certain Monday, Thuwaibah, slave girl of Abu Lahab came running him and informed him that in the house of his brother Abdullah, a boy, with the name Muhammad, is just born. Abu Lahab was thrilled with joy, and beckoned with his finger to tell her: Go,

you are emancipated from slavery. Now, in the Hell, every week on Monday, cold and sweet water flows from the same finger of Abu Lahab, and he assuages it with joy.

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو، یہاں اب سردی اور بارش کا موسم ہے۔

م۔ح ا

بسم اللہ

۵؍ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ

عزیزی سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب۔

آپ کو میرا خط ملا ہوگا جو مدرسہ محمدی کے کاغذات کی رسید کے متعلق تھا، آج آپ کو جلدی میں ایک زحمت دیتا ہوں۔

یہاں ایک حادثہ پیش آیا اور میرا قرآن مجید کے ترجموں کا بستہ غائب ہوگیا ہے، غالباً کسی نے چرالیا ہے، آپ کے پاس سورہ فاتحہ کن کن زبانوں میں ہے، اس کی ایک فہرست مجھے جلد روانہ فرماسکیں تو ممنون ہوں گا، مطبوعہ نسخوں سے یہاں بہت سی زبانوں کا سورہ فاتحہ جمع کر سکتا ہوں لیکن بعض غیر مطبوعہ ہیں، مثلاً Welsh, Islandish, Irish وغیرہ، آپ کی فہرست آئے تو معلوم ہو سکے گا کہ کس حد تلافی ممکن ہے، اللہ کی مرضی۔

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو، سب کو سلام۔

ترکی دوست جواب کم دیتے ہیں، آپ کی دریافت کردہ چیزوں کے متعلق افسوس ہے کہ اب تک آپ کو مدد نہ دے سکا۔

م۔ح ا

راقم نے ڈاکٹر صاحب سے ان کی سوانح عمری لکھنے کی فرمائش کی تھی اور مشہور سرجن موریس بوکائی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے چاہے تھے جس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

بسم اللہ

۸؍جمادی الآخر ۱۴۰۹ھ

عزیزی خوش رہو

سلام مسنون، خیر و عافیت کا طالب، آپ کا خط چند دن ہوئے ملا، مضمون کی وصولی کی اطلاع سے اطمینان ہوا، خدا کرے وہ پسند آیا ہو، کوئی تبدیلی وغیرہ مطلوب ہو تو لکھیے، انشاء اللہ حسب کروں گا۔

مجھے اپنی سوانح عمری پسند نہیں، قدرت سے تنبیہ ہوئی ہے، کوئی ستر پچھتر سال قبل بچپن میں ایک مرتبہ میں نے اپنی سوانح عمری لکھی تھی، بلا اطلاع بڑے بھائی حبیب اللہ صاحب نے ایک مرتبہ میری غیر موجودگی میں اسے پڑھا اور تعریف بھی کی کہ بہت دل چسپ ہے، پھر جلدی ہی اسے دیمک لگ گئی، آس پاس کے دیگر کاغذات اور کتابوں کو کچھ نہ ہوا صرف سوانح عمری کو دیمک چاٹ گئی، اب سوانح عمری سے نفرت ہوگئی ہے۔

میری مطبوعہ تالیفوں کی مکمل فہرست بھی نامناسب معلوم ہوتی ہے۔

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو۔

موریس بوکائی Maurice Bucaille ملک فیصل کے سرجن تھے، اکثر ریاض جاتے تھے، اسی سے عربی زبان سے دل چسپی ہوئی، وہ غالباً جدہ، ریاض یا مکہ معظمہ میں مسلمان ہوئے، تاریخ مجھے معلوم نہیں، دس پندرہ سال ہوئے ہوں گے، ان کے اسلام لانے سے قبل ہی میری ان میں ملاقات رہی ہے، آپ کے دوست امبئی ٹامل کتاب ان کو بھیج کر خط سے ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ وہ کب اور کہاں مسلمان ہوئے، پتہ یہ ہے:

Dr. M. Bucaille

114, Avenue Versailles, Paris-16

Telephone No: 4647-7003

سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

م۔ح ا

سیرت نبوی ﷺ پر
علمائے ہند کے عربی مخطوطات

از توقیر احمد ندوی ☆

سیرت نبوی ﷺ پر تصنیف و تالیف کی ابتدا پہلی صدی ہجری ہی میں ہوگئی تھی گو قدما کی کتابیں ناپید ہیں تاہم ان کے حوالے کتب سیر و تاریخ میں جا بہ جا ملتے ہیں، اس مقدس موضوع پر سب سے پہلی کتاب عروہ بن زبیرؒ (م ۹۴ھ) نے لکھی تھی۔

عرب و ہند کے تعلقات کا آغاز اسلام سے بہت پہلے ہی ہوگیا تھا اور پہلی صدی ہجری ہی میں مسلمانوں کے قدم بھی ہندوستان کی سرزمین پر پڑ چکے تھے، ۹۳ھ میں محمد بن قاسم کے سندھ پر حملہ کے بعد یہاں ان کی حکومت بھی قایم ہوگئی تھی، دوسری صدی ہجری میں ہندوستان کے جس فرزند نے سیرت نبوی ﷺ کے مقدس موضوع پر کتاب لکھنے کا شرف حاصل کیا، ان کا نام ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن سندھی (م ۱۷۰ھ) ہے، جنہوں نے شہر نبوی اور اسلام کے قلب مدینہ منورہ میں بیٹھ کر احادیث کا درس دینے کا شرف حاصل کیا، ان کو مدینہ میں رہنے کی وجہ سے مدنی بھی کہا جاتا ہے (۱)، ان کے بعد طویل عرصے تک ہندوستان میں سیرت کی کسی کتاب کا پتا نہیں چلتا، آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں منظوم کاوشیں نظر آتی ہیں، اس سلسلے میں شیخ رکن الدین کاشانی، قاضی عبدالمقتدر کندی دہلوی (م ۷۹۱ھ) اور شیخ احمد بن محمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) وغیرہ کا نام سامنے آتا ہے، اس کے بعد کتب سیرت کا رواج اس قدر بڑھا کہ پھر ہندوستان اس میدان میں کسی اسلامی ملک سے پیچھے نہیں رہا۔ (۲)

یہ بات کسی معجزہ سے کم نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں

☆ رفیق دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔

اور صرف مسلمانوں ہی نے نہیں آپ پر اپنی محبت و عقیدت کے پھول نچھاور کیے بلکہ بلاتفریق ہر ملت و مذہب کے لوگوں نے آپ کو خراج عقیدت پیش کرنے میں فخر محسوس کیا اور ہندوستانی مسلمانوں نے تو اس میدان میں لازوال نقوش یادگار چھوڑے جن میں منظوم و منثور ہر طرح کے شاہ کار پائے جاتے ہیں اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور سیرت پاک ﷺ کے مقدس موضوع پر نئی نئی کتابیں روز بہ روز دنیا کے سامنے آرہی ہیں اور تا قیامت آتی رہیں گی۔

ہمارے بزرگوں نے جو سرمایہ اس موضوع پر چھوڑا ہے ان میں سے زیادہ تر زیور طبع سے آراستہ ہوچکا ہے مگر ابھی بہت سا سرمایہ طباعت سے محروم ہے جن میں بعض بڑے بیش قیمت بھی ہیں اگر ان کی طبع و اشاعت کا سامان ہوجائے تو اس سے سیرت کے ذخیرے میں اہم اضافے کے علاوہ ہندوستانی علما کی کدوکاوش کے نمونے بھی منظر عام پر آئیں گے، اس مضمون میں راقم نے اپنے محدود علم کے مطابق ایسے ہی عربی مخطوطات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے جو ہندوستان کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں مگر ہنوز زیور طبع سے محروم ہیں، ہم کو افسوس ہے کہ بعض کتب سیرت کے مصنفین کے نام نہیں معلوم ہوسکے اور چند مصنفین اور ان کے مخطوطات کے بارہ میں تلاش بسیار کے باوجود مزید معلومات دست یاب نہ ہوسکے تاہم تلاش و جستجو سے جس قدر معلومات فراہم ہوسکے ہیں ان کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

ہمارے علم میں جو مخطوطات آئے ہیں ان کو حروف تہجی کے اعتبار سے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱- **امیر السیر فی حال خیر البشر:** مصنف شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے جن کا نام محمد بہادر علی خاں دہلوی (م ۱۲۵۳ھ) ہے۔

یہ مخطوطہ ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کا نام نواب "میر خاں" والی ٹونک کے نام کی مناسبت سے "امیر السیر" رکھا گیا، اس کی کتابت ۱۲۵۱ھ میں مصنف کے شاگرد مولوی عبدالمجید ٹونکی نے کی تھی، کتاب کے آخر میں مصنف کی تصدیقی عبارت، دستخط اور مہر ثبت ہیں، نسخہ اچھی حالت میں ہے (۳)، اس کے قلمی نسخے کتب خانہ ٹونک اور رضا لائبریری رام پور میں موجود ہیں۔

اس کتاب میں نبی کریم ﷺ کے شمائل و فضائل، آپ کے رہن سہن اور عادات و اطوار

بیان کیے گئے ہیں، اس کی ابتدا الحمد لله الذی انزل علی افضل البشر الخ سے کی گئی ہے۔

۲- الحجة البالغة والوثيقة الباهرة : یہ مخطوطہ مولوی سید عالم علی بن کفایت علی مرادآبادی (م ۱۲۹۵ھ) کا تصنیف کردہ ہے، وہ عالم، حافظ، قاری اور طبیب تھے، ان کا وطن بجنور تھا لیکن مرادآباد میں سکونت اختیار کرلی تھی، مولوی فرید الدین سہارن پوری، ملا غفران، حافظ شیرانی، مفتی شرف الدین، مولانا مملوک علی نانوتوی اور شیخ اسحاق بن افضل عمری وغیرہ سے تکمیل تعلیم کے بعد مرادآباد میں مصروف درس وتدریس ہوئے اور ۶۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

مولوی صاحب موصوف نے کئی رسایل اور بھی لکھے تھے جو صوم وقرأت کے فضایل، تعدد جمعہ اور فضایل رسول ﷺ کے موضوع پر ہیں۔

الحجة البالغة کا نسخہ ۱۱۴ صفحات پر مشتمل رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے، اس میں نبی کریم ﷺ کے مناقب ومراتب، شمائل وفضایل اور معجزات وغیرہ کا بیان ہے۔

۳- الدلائل للسنن العادية : یہ مولانا عبید اللہ بلیاوی کا تصنیف کردہ ہے، وہ ۱۳۳۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۰۸ھ میں دہلی میں انتقال ہوا۔

اس میں مصنف نے تمام واقعات احادیث کی روشنی میں بیان کیے ہیں، اس طرح گویا یہ احادیث کا مجموعہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے شمایل وفضایل، عادات واطوار، اخلاق و خصائص اور طرز زندگی بیان کیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ حضورؐ دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے، ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے، ان تمام باتوں کو احادیث نبوی کی روشنی میں شرح وبسط کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ (۴)

۴- ربیع القلوب فی مولد المحبوب النبی ﷺ : مولانا عبد اللہ بن محمد صدیق واعظ احمد آبادی حنفی کا تصنیف کردہ یہ مخطوطہ ۲۱۲ اوراق پر مشتمل اور خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے مگر آخر کے چند صفحات غائب ہیں، کتاب کا نام پندرہویں صفحہ کی تیسری سطر میں درج ہے، مصنف نے بہ کثرت آیات قرآنی نقل کی ہیں اور جابجا اشعار بھی بہت درج کیے ہیں اور بتایا ہے کہ ابتدائی تین صفحات میں ان کتابوں کے نام درج ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کتاب کی تصنیف عمل میں

آئی، ان کتابوں کی تعداد کم وبیش پچاس ہے، جو تفسیر، حدیث، تاریخ اور تراجم وغیرہ موضوعات پر ہیں، اس کے بعد تقریباً چھ صفحات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور دعا وتوفیق کی درخواست کے بعد مصنف نے اپنا نام درج کیا ہے، اس کے ساتھ ہی روضۂ اقدس، مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی زیارت اور وہاں کے علما وفضلا سے ملنے ملانے کی تمنا وآرزو کا اظہار کیا ہے، پھر نبی کریم ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے کثرت سے نعتیہ اشعار رقم کیے ہیں، کتاب کا نام تحریر کرنے کے بعد دوبارہ پچیس تیس نعتیہ اشعار نقل کیے ہیں، مصنف نے اس کتاب کے لکھنے پر اپنے آپ کو خوش قسمت اور خوش بخت تصور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے کہ اسی نے اس مقدس موضوع پر لکھنے کی توفیق عطا فرمائی، اس کے بعد اصل موضوع پر آتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت کو بہت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے آیات اور احادیث کے ساتھ ساتھ نعتیہ اشعار بھی نقل کیے ہیں لیکن قدیم طریقہ ودستور کے مطابق پوری کتاب میں کوئی عنوان نہیں دیا ہے بلکہ تمام واقعات کو بغیر کسی عنوان کے مخلوط طریقے پر بیان کردیا ہے۔

کتاب ناقص الآخر ہے، اس کی وجہ سے سن تالیف، سن کتابت اور کاتب کا نام نہیں معلوم ہوسکا ممکن ہے ان کا تذکرہ آخر کے صفحات میں رہا ہو جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے۔

۵- سنن الهدى فی متابعة المصطفى : یہ صدر الصدور شیخ عبد النبی کی تصنیف کردہ ایک اہم کتاب ہے، مصنف شیخ عبد القدوس گنگوہی کے پوتے اور سلسلہ صابریہ چشتیہ سے متعلق تھے گنگوہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد علم حدیث کی تحصیل کے لیے متعدد مرتبہ حرمین شریفین گئے اور شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی اور دوسرے محدثین سے کسب فیض کیا، ہندوستان واپسی کے بعد سماع سے متعلق اپنے والد کی کتاب کے خلاف حرمت سماع کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس کی وجہ سے موصوف کو گھر بار چھوڑنا پڑا، اس واقعہ اور علم حدیث میں امتیاز کی بنا پر شیخ عبد النبی کو بڑی شہرت ملی، بعض لوگوں کی سفارش سے اکبر بادشاہ نے ۹۷۲ھ میں انہیں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز کیا، جس پر ۹۸۶ھ تک برقرار رہے اور ملک وقوم کو درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور افادہ سے مستفیض فرماتے رہے، اکبر بادشاہ بھی ان کے درس حدیث میں شریک ہوا کرتا تھا مگر بعد میں ابوالفضل اور فیضی نے اسے شیخ سے بدظن کردیا جس کے نتیجے میں اس نے ان کی

ملک بدری کا حکم صادر کردیا، (۵) شیخ حرمین شریفین چلے گئے، ایک طویل عرصہ کے بعد لوٹے تو معافی نامہ داخل کیا لیکن ایک ہندو وزیر (جس کے سپر دان کا معاملہ کیا گیا تھا) نے ان کو سخت سزائیں دیں جس کی وجہ سے ۹۹۱ھ میں آگرہ میں انتقال ہوگیا۔ (۶)

شیخ عبدالنبی کی تصانیف میں رسالہ حرمت سماع کے علاوہ سیرت نبویؐ کے موضوع سے متعلق وظایف النبیؐ فی الادعیۃ الماثورۃ (۷) اور سنن الھدی فی متابعۃ المصطفیٰ بھی مشہور ہیں۔

سنن الھدی میں مصنف نے حیات انسانی کے لیے احادیث نبوی کو بہ طور لائحہ عمل پیش کیا ہے، اس کے قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، رضا لائبریری رام پور، خدا بخش لائبریری پٹنہ اور شبلی نعمانی لائبریری ندوۃ العلما لکھنؤ میں موجود ہیں، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود نسخہ ۳۴۱ اوراق پر مشتمل ہے لیکن سید محمد خالد علی کے پیش نظر نسخے میں صفحات کی تعداد ۴۴۵ ہے (۸)، آزاد لائبریری کے نسخے کی کتابت ۱۶ / ذی الحجہ ۱۱۷۰ھ میں محمد آصف نگرامی نے اپنے بیٹے محمد نذیر کے لیے کی تھی، (۹) یہ نسخہ ناقص اور کرم خوردہ ہے جو حرف الزا پر ختم ہوگیا ہے، اکثر مقامات پر عبارت دھندلی اور مٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے پڑھنے میں کسی قدر دشواری ہوتی ہے، شبلی نعمانی لائبریری لکھنؤ میں موجود نسخہ ۳۵۵ اوراق پر مشتمل اچھی حالت میں ہے، ہمارے دوست مولانا اصطفاء الحسن کاندھلوی نے بتایا کہ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ ۱۳۵۵ھ کا طبع شدہ ان کے چچا مولانا نور الحسن راشد صاحب کی ذاتی لائبریری کاندھلہ میں موجود ہے، راقم کے پیش نظر مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کا نسخہ ہے۔

مصنف نے حرمین شریفین کی زیارت کا شرف حاصل ہونے کے بعد کئی مرتبہ استخارہ کرکے یہ کتاب لکھی اور مقدمہ میں بتایا ہے کہ انہوں نے اس میں صحیحین کے علاوہ جامع صغیر، الشفا، الاذکار للنووی، عمل الیوم واللیل للسیوطی اور المقاصد الحسنہ وغیرہ سے حدیثیں درج کی ہیں اس کی اکثر فصلوں میں جو آیات نقل کی ہیں، بیضاوی اور کشاف کی روشنی میں ان کی تفسیر بھی کی گئی ہے، بعض فصلوں میں فقہی فروع وجزئیات کا تذکرہ اور بعض میں معنی ومفہوم کی وضاحت کے لیے صوفیا کے اقوال بھی مذکور ہیں، مصنف نے طوالت کے خوف سے اسانید حذف کردیے ہیں اور مصادر کا ذکر بھی نہیں کیا کہ مذکورہ احادیث کہاں سے ماخوذ ہیں مگر روایات کو تحقیق اور چھان بین

کے بعد ہی نقل کیا گیا ہے، احادیث کا انتخاب مصنف نے اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے، حدیث کی ابتدا سرخ روشنائی سے کی ہے تاکہ ایک حدیث کا دوسری سے التباس نہ ہو، کتاب کی تکمیل مصنف نے چار سال میں کی۔

کتاب کا بنیادی مقصد اس زمانہ میں رائج بدعات وانحرافات کو ختم کرنا اور صحیح وثابت سنن نبویؐ کو رواج دینا ہے تاکہ لوگ اسلامی اخلاق وآداب سے آراستہ ہوں اور نبی کریمؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن رہیں، کتاب ایک مقدمہ، تین اقسام اور خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں تمام اعمال ظاہری و باطنی کے لیے اخلاص کو بنیادی امر قرار دیتے ہوئے اس سے متعلق احادیث نقل کی ہیں۔

القسم الاول: اس میں ان ذمہ داریوں کا بیان ہے جو نبی کریمؐ کے سلسلہ میں ہم پر عاید ہوتی ہیں، اس کے تحت پانچ ابواب ہیں، باب اول میں آنحضرت ﷺ سے محبت والفت اور لگاؤ کو باعث ثواب اور بلندیٔ درجات بتایا ہے، یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے، باب ثانی میں آپ کی اطاعت واتباع کے وجوب اور بدعات سے اجتناب سے متعلق احادیث تین فصلوں میں مذکور ہیں، باب ثالث پانچ فصلوں پر مشتمل کتاب وسنت کو ہی مقتدا اور راہبر قرار دینے سے متعلق احادیث میں منقسم ہے، باب رابع بھی پانچ فصلوں پر مشتمل ہے اور اس میں درود وسلام پڑھنے کی فضیلت وکیفیت اور طریقہ بیان کیا گیا ہے، فقہی مسایل سے بھی بحث کی گئی ہے، باب خامس میں روضہ اقدس کی زیارت وکیفیت کا بیان ہے جو دو فصلوں پر مشتمل ہے، کہیں کہیں فصلوں کی جگہ الفروع کا عنوان دیا گیا ہے۔

القسم الثانی: اس میں آپؐ کے وظایف، طاعات وعبادات اور تسبیحات وغیرہ کا بیان ہے، اس کی تمہید میں اعمال واذکار سے متعلق احکام ذکر کیے گئے ہیں، یہ قسم پانچ کتب پر مشتمل ہے، کتاب اول بارہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب کی کئی کئی فصلیں ہیں، کتاب اول میں نماز سے متعلق بیانات ہیں، جس میں طہارت کی فضیلت، غسل، وضو، مسجد، مسجد کے آداب، اذان، اذان کے آداب وفضایل اور اوقات نماز وغیرہ کا مفصل ذکر ہے، کتاب ثانی آٹھ فصلوں پر مشتمل روزے کی اہمیت وفضیلت اور اس کے متعلقات پر مبنی ہے، اس کے تحت رویت ہلال، یوم عاشورہ، افطار

وسحر، اعتکاف اور لیلۃ القدر وغیرہ کی اہمیت وفضیلت کو بیان کیا گیا ہے، کتاب ثالث سات فصلوں میں منقسم ہے، اس میں فضایل قرآن، فضایل تلاوت اور حفظ قرآن سے متعلق اہم باتیں درج ہیں، اس کے علاوہ سجدۂ تلاوت وغیرہ پر بھی بحث کی ہے، کتاب رابع میں ذکر الٰہی کے ذرائع، اسمائے حسنیٰ اور اسم اعظم وغیرہ سے متعلق احادیث درج ہیں، یہ کتاب بھی نو فصلوں پر مشتمل ہے، اس کے بعد کے اوراق غائب ہیں اس لیے کتاب خامس اور القسم الثالث کے مندرجات کے متعلق یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، البتہ کتاب کے مقدمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب خامس سات فصلوں میں منقسم ہے اور اس میں دعا واستغفار، فضایل دعا اور دفع بلا وغیرہ سے متعلق احادیث مذکور ہیں۔

القسم الثالث: (حسب تصریح مقدمہ) اس میں آپؐ کے اسماء وصفات، ولادت وبعثت و وفات اور آپؐ کے والدین کا ذکر ہے، اس کے علاوہ آداب معاشرت، آداب طعام، والدین کے ساتھ حسن سلوک، بچوں پر شفقت ومحبت، حیا وشرم، حب الٰہی، خوف الٰہی، حسن خلق اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں وغیرہ کا ذکر ہے، گویا اس قسم میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق مباحث ومسایل مذکور ہیں، یہ قسم بھی کئی ابواب پر مشتمل ہے، مصنف نے اس قسم میں حرف ابجد کے اعتبار سے موضوعات منتخب کرکے احادیث کو نقل کیا ہے، ہر لفظ کو ایک باب قرار دیا ہے اور ابواب کو بھی متعدد فصلوں میں تقسیم کیا ہے، مثلاً حرف التا کو ایک باب قرار دے کر چھ فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں تقویٰ وتوکل، تفکر وتدبر، تواضع وانکساری اور توبہ واستغفار وغیرہ کا ذکر ہے، حرف الجیم تین فصلوں پر مشتمل ہے اور اس میں فضایل جہاد اور اس کی ترغیب، شہدا کے درجات وغیرہ کا ذکر ہے، حرف الخا میں خوف الٰہی اور خشوع وخضوع کو بیان کیا ہے، گویا ہر لفظ ایک باب ہے اور ہر باب کئی کئی فصلوں پر مشتمل ہے اور ہر فصل میں کسی ایک موضوع سے بحث کی ہے اور اس سے متعلق احادیث بھی مذکور ہیں۔

خاتمۃ الکتاب بھی نو فصلوں میں منقسم ہے اور اس میں حج سے متعلق احادیث مذکور ہیں، ہر فصل کو ایک موضوع کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس کے تحت فضایل حج، فضایل حرمین شریفین، حجۃ الوداع، حج اکبر، عمرہ، ترک حج پر وعید، طواف واحرام، سفر کی تیاری، انبیا وملائکہ کے حج اور

زیارت روضۂ اقدس وغیرہ کے بیانات ہیں۔

کتاب کا مقدمہ کافی طویل اور اہم ہے، اس میں مصنف نے کتاب کی تالیف وترتیب میں اپنے طریقۂ کار کی وضاحت کرنے کے علاوہ کتاب کی نوعیت اور اہمیت وضرورت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

اس کتاب پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کی ایک محققہ کا بھی مفصل مقالہ معارف جون ۲۰۰۳ء میں بھی چھپا ہے۔

۶- **سید البشر:** غلام احمد کا تصنیف کردہ قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے سبحان اللہ کلکشن میں محفوظ ہے، جس کی کتابت محمد حفیظ نامی کاتب نے کی ہے۔

۷- **شرح شمائل النبیؐ للترمذی:** شیخ اشفاق الرحمن بن عنایت الرحمن کاندھلوی (م ۱۳۷۷ھ) کی تصنیف کردہ شرح ہے، مصنف کاندھلہ میں پیدا ہوئے اور حیدرآباد سندھ پاکستان میں وفات پائی، یہ کتاب ایک مفید اور قیمتی شرح ہے لیکن اب تک زیور طبع سے محروم ہے۔ (۱۰)

۸- **مجموعۃ رسالۃ فی تحقیق معنی النبی والرسول و مایتعلق بہا:** یہ مولوی سید عالم علی مرادآبادی (م ۱۲۹۵ھ) کا تصنیف کردہ مخطوطہ ہے جو ۳۷۵ صفحات پر مشتمل خط نسخ میں لکھا ہوا رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔

۹- **نظم الدرر والمرجان فی تلخیص سیر سید الانس والجان:** ۲۱۰ صفحات پر مشتمل شیخ اوحد الدین بن مرزا جان برکی جالندھری (م ۱۰۹۱ھ) کی سیرت نبوی ﷺ کے مقدس موضوع پر ایک اہم، جامع اور عمدہ تصنیف ہے جو ۲۲ رذی الحجہ چہارشنبہ ۱۰۹۱ھ کو مکمل ہوئی، اس کے قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، حیدرآباد، ٹونک اور ایک بوسیدہ نسخہ کتب خانہ فاروقی گوپامئو میں محفوظ ہیں (۱۱)، ان کے علاوہ اس کا ایک نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی ہے، جس کی کتابت محمد عیسی نے کی ہے، اس مخطوطہ کے کئی اردو ترجمے بھی منظر عام پر آچکے ہیں، جیسے سید علیم اللہ حسین جالندھری بن عتیق اللہ (م ۱۲۰۲ھ) کا ''نثر الجواہر'' اور مولانا محمد یاور حسین گوپامئوی کا ''وشاح الریحان''۔ (۱۲)

اس میں حمد وصلاۃ کے بعد مصنف نے دوسرے صفحہ پر اپنا نام درج کرکے کتاب کی

اہمیت وضرورت بیان کی ہے اور تیسرے صفحہ پر اس کا نام تحریر کیا ہے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ کا نسب والد اور والدہ دونوں کی طرف سے بیان کیا ہے مگر والد کا نسب معد بن عدنان اور والدہ کا مولی بن غالب تک ہی بیان کیا ہے، آگے کے نسب کو اختلاف کی بنا پر چھوڑ دیا ہے، آپ کی ولادت باسعادت کے بیان میں آپ کی پیدایش کے وقت کی کیفیت اور اس کا ذکر ہے کہ آپ عام الفیل کے کتنے دنوں بعد پیدا ہوئے، ولادت کے دنوں اور تاریخوں کے اختلاف کو نقل کرتے ہوئے بارہ ربیع الاول بہ روز دوشنبہ کو راجح قرار دیا ہے، مدت حمل پر بحث کرتے ہوئے آٹھ مہینہ کو صحیح قرار دیا ہے، دودھ پلانے والیوں کی مختلف تعداد درج کی ہے، اس کے علاوہ حضرت خدیجہؓ سے شادی، حجر اسود کو دوبارہ خانہ کعبہ میں نصب کرنے اور نبوت ملنے کے وقت عمر مبارک چالیس اور اکتالیس سال لکھی ہے، یہ بھی تحریر کیا ہے کہ آپ انس وجن کے علاوہ اور دوسری مخلوقات کے لیے بھی نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اہل مکہ کی جانب سے آپ کے اور مسلمانوں کے مقاطعہ ومحاصرہ کا ذکر بھی کیا ہے، حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکرؓ میں اول الذکر کو پہلے اسلام لانے والا قرار دیا ہے، پھر معراج نبوی ﷺ، ہجرت مدینہ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر فروکش ہونے، مدینہ منورہ میں قیام کی مدت اور اس عرصے میں ہونے والے غزوات کی تفصیل بیان کی ہے اور ان کے بارے میں ارباب سیر کے اختلافات کی تصریح بھی کی ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ جن غزوات میں آپ بہ نفس نفیس شریک ہوئے ان کی تعداد پندرہ یا سترہ ہے، اس کے بعد مختلف عناوین کے تحت نبی کریمؐ کے اوصافِ کمالات وشجاعت وبہادری، عفو ودرگذر، سخاوت وفیاضی، عدل وانصاف، شفقت ومحبت، تواضع وانکساری اور غیرت وحمیت وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

آخر میں آپ ﷺ کی وفات اور تجہیز وتکفین کا ذکر ہے، وفات کے وقت حسب اختلاف عمر مبارک ۶۰، ۶۲، ۶۳ اور ۶۴ سال دس مہینہ بتائی گئی ہے اور وفات کے دن اور وقت پر بھی بحث ہے، آگے مزید لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ کے پاس دفن کیے گئے ہیں اور انشاء اللہ حضرت عیسیٰؑ بھی وہیں دفن کیے جائیں گے۔

مولانا اوحد الدین کی یہ تصنیف جامع اور پر از معلومات ہے، مولانا یاور حسین عرض مترجم میں رقم طراز ہیں کہ "ایک متبع سنت کے لیے یہ کتاب اکسیر اعظم ہے" (۱۳)۔

آگے جن مخطوطات کا ذکر آرہا ہے ان کے مصنفین کے نام اور دوسری ضروری باتوں کا علم نہیں ہوسکا۔

۱۰- **خلاصۃ سیر النبی سید البشر**: ۲۸ اوراق پر مشتمل رسالہ ہے جس کی کتابت ۱۳۰۹ھ میں محمد نور الحسن نامی کاتب نے کی تھی، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود ہے (یہ مخطوطہ غالباً محمد بن سعید کا تصنیف کردہ ہے جو "خلاصۃ سیر سید البشر" کے نام سے ۱۳۴۳ھ میں دہلی سے شایع ہوا) "الفتوحات الاحمدیہ" بھی ان کی تصنیف کردہ کتاب ہے جو ۱۳۰۳ھ میں دہلی ہی سے شایع ہوئی اور یہ دونوں مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے حبیب گنج کلکشن میں موجود ہیں۔

۱۱- **رسالۃ المعراج**: رضا لائبریری رام پور میں ۶۲ صفحات پر مشتمل خط نسخ میں لکھا ہوا یہ رسالہ محفوظ ہے، معراج نبوی ﷺ کے موضوع پر ایک جامع اور معلوماتی رسالہ ہے۔

۱۲- **سیرۃ النبی ﷺ**: ۳۶ اوراق پر مشتمل رسالہ ہے جس کی کتابت ۱۲۷۲ھ میں محمد حسن نامی کاتب نے کی تھی، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے سبحان اللہ کلکشن میں موجود ہے۔

۱۳- **مغازی النبی ﷺ**: ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں غزوۂ حنین اور فتح مکہ کے واقعات رقم ہیں لیکن ناقص ہے، کاتب اور سن تالیف وغیرہ کا بھی کچھ پتا نہیں، خط نسخ میں لکھا ہوا ہے، رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔

۱۴- **مولود النبی ﷺ**: خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ۱۲۰ اوراق پر مشتمل خوبصورت نسخہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت، رضاعت، حلیمہ سعدیہ، اور حضرت خدیجہؓ سے شادی وغیرہ کے بیانات ہیں، اس کے مصنف، کاتب اور سن تالیف وغیرہ میں سے کسی کا پتا نہیں چلتا۔

کتاب کی ابتدا حمد وصلاۃ اور دعاؤں کے ساتھ ہوتی ہے جس کی عبارت مقفیٰ ومسجع اور پر تکلف ہے، جابجا قرآن کریم کی آیات بھی نقل کی گئی ہیں، شروع کے تقریباً پندرہ صفحات اسی طرح کی پر تکلف عبارتوں اور جملوں سے بھرے ہوئے ہیں، آیات کے بعد چودہ نعتیہ اشعار مذکور ہیں، اس کے بعد ایسی احادیث درج ہیں جن میں نبی کریم ﷺ پر درود وسلام کی تلقین وترغیب کا ذکر ہے، ان بحثوں اور نعتیہ اشعار کے بعد حضرت آدمؑ وحواؑ کی پیدایش پر لمبی بحث کی ہے، ورق نمبر ۵۸ تک اسی طرح کی مختلف بحثیں ہیں جو زیادہ تر واقدی کے حوالے سے کی گئی ہیں۔

پھر عام میلاد خوانوں کی طرح حضرت آمنہ کی زبانی آپؐ کی ولادت سے قبل، ولادت کے وقت اور ولادت کے بعد کے حالات نقل کیے گئے ہیں جو محققین کے نزدیک پایہ اعتبار سے ساقط ہیں، اس کے بعد ۲۲ اشعار پر مشتمل نعت شریف درج ہے جس کی ابتدا اس طرح ہے:

ولد الحبيب وخده متورد — والنور من وجهاته يتوقد

جبريل نادى منصنه حينه — هذا مليح الكون هذا احمد

پھر رضاعت اور حضرت حلیمہ سعدیہ وغیرہ کا بھی ذکر ہے، آخر میں نبی کریمؐ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی کا ذکر کرتے ہوئے شادی کے وقت حضورؐ کی عمر مبارک ۲۶ سال اور حضرت خدیجہؓ کی ۳۵ سال بتائی ہے، دعا و توفیق کی درخواست پر مخطوطہ کا اختتام ہو جاتا ہے۔

ابتدا میں عبارت اس طرح ہے: الحمد لله الذى ابرز من طرة غرة عروس الحضرة صبحا مستنيرا واطلع فى افلاك الكمال من بروج الجمال شمسا مضيئا و قمرا منيرا واخرج من خلال اشجار الفتوة شمس قمر النبوة ولم يجعل له فى العالمين تذكيرا الخ۔

۱۵- مولود النبی ﷺ: اس نام سے ایک اور مخطوطہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے، جس کے تحت پانچ رسایل ایک ساتھ مجلد ہیں، پوری جلد ۱۴۶ اوراق پر مشتمل ہے، پانچوں رسایل کے نام بالترتیب اس طرح ہیں: ۱-مولود النبیؐ ۱-۳۲، ۲-معراج النبیؐ ۳۳-۷۵، ۳-مختصر فی المعراج ۷۶-۸۹، ۴-قصۂ یہود و اسلامہ ۸۹-۹۴ اور ۵-دقائق الحقائق ۹۵-۱۴۶، موخر الذکر رسالہ کے مصنف امام فخر الدین الرازی ہیں، بقیہ کے مصنفین کا پتا نہیں چلتا۔

ان میں سے صرف ابتدا کے تین رسایل ہی ہمارے موضوع سے متعلق ہیں، پہلے رسالہ کے مصنف، کاتب، سن تالیف اور کتابت وغیرہ کا پتا نہیں چلتا، دوسرا محمد بن شرف الدین شطاری کا کتابت کردہ ہے اور ۱۱۸۰ھ میں تالیف کیا گیا ہے اور تیسرا بھی ۱۱۸۰ھ کا تالیف شدہ ہے۔

ذیل میں ان تینوں رسالوں کے مندرجات کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

۱- مولود النبی ﷺ: یہ رسالہ ۳۲ اوراق پر مشتمل ہے کتابت خوبصورت اور واضح ہے لیکن درمیان میں کئی جگہوں پر عبارت مٹی ہوئی ہے، رسالہ کی ابتدا حضور اکرمؐ کی پیدائش سے کی گئی ہے

اور اختتام حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی کے ذکر پر ہوا ہے۔

ابتدا میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے ضمن میں یاوہ گو مصنفین نے جو عجائب اور محیر العقول باتیں قلم بند کی ہیں ان کی تفصیل قلم بند کی ہے جیسے آپؐ کی پیدائش کے وقت شیاطین کی کیا حالت و کیفیت ہوئی؟ اور آپ کی پیدائش کے فیض و برکت سے کیا انقلابات رونما ہوئے، آخر میں حضرت خدیجہؓ سے آپ کی شادی کا واقعہ بیان کیا ہے، مخطوطہ کی عبارت خوبصورت، آسان اور سلیس ہے۔

۲- معراج النبی ﷺ: جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ یہ معراج نبویؐ پر محمد بن شرف الدین شطاری کا کتابت کردہ ۴۳ اوراق پر محیط خوبصورت نسخہ ہے، ۱۱۸۰ھ میں تصنیف کیا گیا، رسالہ میں معراج کا واقعہ آیات اور احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

اس میں حمد و صلاۃ کے بعد معراج سے متعلقہ آیات درج ہیں، سب سے پہلے سبحن الذى اسرىٰ بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى (الآية) نقل کی گئی ہے، پھر اور آیات نقل کرکے معراج سے متعلق احادیث نقل کی ہیں، سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت دی گئی ہے: قال ولد رسول الله ﷺ ليلة يوم الاثنين واسرى به ليلة الاثنين وذلك قوله تعالى سبحن الذى اسرى بعبده ليلا الخ۔

اس کے بعد معراج نبویؐ پر مفصل بحث کی ہے جس میں اس سے متعلق اختلافات بھی تحریر کیے گئے ہیں اور کوشش کی ہے کہ معراج کے واقعات کو آیات و احادیث کی روشنی میں بیان کریں، اس کے بعد کاتب کا نام اور سن تالیف درج ہے اور سب سے آخر میں اعمال سے متعلق یہ حدیث قال النبى ﷺ من كذب فى يوم مرة لعنه الله سبعين مرة كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع، حدیث (مشکوٰۃ) درج کی گئی ہے اور اسی عبارت پر رسالہ ختم ہو جاتا ہے۔

۳- مختصر فی معراج النبی ﷺ: ۱۴ اوراق پر مشتمل کسی نامعلوم مصنف کا ۱۱۸۰ھ میں تصنیف کردہ رسالہ ہے، اس کی ابتدا بہ جائے آیات کے حدیث شریف سے ہوتی ہے اور اس

میں بھی سب سے پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کی زبانی معراج کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، حدیث کے بعد مصنف نے معراج کا پورا واقعہ اپنی زبان میں مختصراً بیان کیا ہے، واقعہ بیان کرنے کے بعد سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت نقل کی ہے اور درود و سلام پر رسالہ کا اختتام کیا ہے، درج سن تالیف کے مطابق اس کی تکمیل ۶ ذی القعدہ ۱۱۸۰ھ کو ہوئی۔

ابتدا میں پہلی حدیث یوں درج ہے: قال قال رسول اللہ ﷺ بینما انا ذات لیلة فی ربیع الاول لیلة الاثنین بعد العشاء الاخیرة الخ۔

۱۶- المولود الشریف: ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ۱۱۳۰ھ میں کسی نامعلوم مصنف کا تصنیف کردہ مخطوطہ ہے، اس کے کاتب اور سن کتابت وغیرہ کا بھی پتا نہیں چلتا، یہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے، اسی نام سے دو اور نسخے یہاں موجود ہیں جن میں ایک ۳۲ صفحات پر مشتمل ۱۱۷۷ھ کا تصنیف شدہ اور دوسرا ۵۸ صفحات پر مشتمل ہے، ان سب کے بھی مصنفین، کاتب اور سن کتابت وغیرہ کا پتا نہیں چلتا۔

۱۷- مولود شریف: ۴۸ اوراق پر مشتمل نامعلوم مصنف کا ایک رسالہ سبحان اللہ کلکشن مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود ہے، مصنف کے علاوہ کاتب کا نام اور سن تالیف و کتابت وغیرہ بھی نامعلوم ہیں۔

۱۸- مولد النبی المختار: اسی لائبریری کے حبیب گنج کلکشن میں ۳۷ اوراق پر مشتمل ۱۲۶۶ھ میں جوہر بن حسین کا کتابت کردہ یہ مخطوطہ موجود ہے۔

۱۹- مولد النبی الکریم: مولانا آزاد لائبریری ہی میں ۵۹ اوراق پر مشتمل عبدالحئی کلکشن میں نامعلوم مصنف کا تحریر کردہ یہ نسخہ موجود ہے۔

ظاہر ہے ہندوستان کے دوسرے کتب خانوں میں بھی سیرت نبویؐ پر بہت سے قیمتی قلمی نسخے موجود ہوں گے جن کا حصول اور ان سے استفادہ ہر شخص کے لیے ممکن نہیں، ہماری رسائی جن مخطوطات تک ہوسکی ہے ان کا ذکر ہم نے اپنی بساط کے مطابق کردیا ہے، ضرورت ہے کہ دوسرے اہل علم اور اصحاب نظر بھی اپنے اپنے دائروں اور علاقوں کی ذاتی اور پبلک لائبریریوں

میں موجود مخطوطات کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں تاکہ ان سے استفادہ کیا جاسکے اور انہیں منظر عام پر لانے کی سعی و کوشش بھی کی جائے۔

حوالے و حواشی

(۱) مقالات سلیمان حصہ دوم، ص ۳ (۲) راقم کا مضمون "ہندوستان میں عربی سیرت نگاری، معارف اعظم گڑھ، مارچ ص ۱۶-۲۰۹، ۱۹۹۷ء (۳) حکیم محمد عمران خاں، فن سیرت نگاری اور محمد علی خاں، برہان ص ۲۰۴، ماہنامہ ندوۃ المصنفین، دہلی، مارچ ۱۹۶۸ء (۴) سید محمد خالد علی، مساهمة الهند باللغة العربية فی ادب الحدیث النبوی، ۳۴۰/۳، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ، ڈی، شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ۱۹۹۲ء (۵) سید عبدالحئی، نزہۃ الخواطر، ۲۲۱/۴، مطبع دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۴۷ء (۶) الاعلام میں سن وفات ۹۹۰ھ درج ہے، ملاحظہ ہو: خیرالدین زرکلی، الاعلام، ۳۳۰/۴، مطبع کوستاتسوماس وشرکاہ، ۱۹۵۵ء، دائرہ معارف (انسائیکلو پیڈیا) اردو پاکستان نے ان کی موت کے بارہ میں لکھا ہے کہ "ان کو گلا گھونٹ کر مارا گیا تھا" ۹۶۶/۱۲ (۷) وظائف النبی کا ایک نسخہ ۲۸ صفحات پر مشتمل بہ زبان فارسی دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ میں موجود ہے، عبدالرشید نے ۹۹۴ھ میں اس کی کتابت کی تھی (۸) سید محمد خالد علی، حوالہ سابق، ۱۷۳/۳ (۹) ڈاکٹر شبیر احمد قادر آبادی، عربی زبان و ادب عہد مغلیہ میں، ۹۹/۱، مطبع نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء (۱۰) سید محمد خالد علی، حوالہ سابق، ۲۳۳/۲ (۱۱) ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری، ہندوستان میں عربی سیرت نگاری، ایک جائزہ، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، ص ۱۵۸، اپریل - جون ۱۹۹۷ء (۱۲) سید عبدالحئی، الثقافة الاسلامیة فی الهند، ص ۹۰، مطبع المجمع العلمی العربی دمشق، ۱۹۵۸ء (۱۳) ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری، حوالہ سابق ص ۱۵۹۔

اخبار علمیہ

سعودی عرب کے شہزادہ ولید بن طلال بن عبدالعزیز نے قرآن مجید کا البانوی زبان میں ترجمہ کراکے تقسیم کے لیے اس کے چالیس ہزار نسخے شایع کیے ہیں، البانیہ سے جو لوگ حج کے لیے آئے تھے ان کو یہ نسخے تقسیم کیے جاچکے ہیں۔

استنبول میں تاریخ وثقافت اور فنون کی تحقیق کے مرکز کی طرف سے دور عثمانی (۱۹۲۳-۱۲۹۹) میں علوم سائنس کی تاریخ کے نام سے مطبوعات کی اشاعت کے سلسلے کا آغاز کیا گیا ہے، فلکیات، ریاضی اور جغرافیہ سے متعلق کتابوں کو دو دو جلدوں میں بالترتیب ۱۹۹۷، ۱۹۹۹، ۲۰۰۰ء میں شایع کیا گیا ہے، ''دور عثمانی کی تاریخ علم فلکیات'' بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے، اس میں ۲۴۳۸ کتابوں اور ۵۸۲ مصنفین کا مفصل تذکرہ ہے، علم ریاضی کی تاریخ میں ۱۱۱۴ اور ۴۹۱ ریاضی دانوں کے بارے میں تفصیلات درج ہیں، علم جغرافیہ کی تاریخ میں ۱۶۲۹ کتابوں اور ۲۷۷ جغرافیہ دانوں کے کارہائے نمایاں کا ذکر ہے، اس سلسلے کی چوتھی کتاب ''دور عثمانی میں موسیقی کی تاریخ'' میں ۱۳۷ کتابوں اور ۲۲۳ موسیقی دانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا تعلق براعظم ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ بالخصوص خلیجی ممالک سے ہے۔

آغا خاں یونیورسٹی لندن میں اسلامی تہذیب وتمدن کے مطالعہ وتحقیق کے نام سے ایک ادارے کا قیام عمل میں آیا ہے تاکہ اسلامی تہذیب وثقافت، فلسفہ وسائنس اور آرٹ وغیرہ میں مسلمانوں کی شاندار خدمات کو نمایاں کیا جائے، اس کے ابتدائی مرحلے میں اسلامی تمدن کے متعلق تلاش وتحقیق کا کام شروع کیا جائے گا جس کے ترجمے دنیا کی متعدد زبانوں میں کراکے انٹرنیٹ پر بھی معلومات بہم پہنچائی جائیں گی، اسلام، اسلامی عقاید اور اسلامی تہذیب میں مسلمانوں کے حصے پر لیکچرز اور ایم اے تک تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ (اخبار تحقیق، جولائی-ستمبر ۲۰۰۳ء)

مروجہ پلاسٹک ماحولیاتی آلودگی اور تحلیل وتبدیل نہ ہونے کے سبب آبی ونباتی زندگی کے لیے ہلاکت خیز تھی مگر اب سائنس دانوں نے اس کی متبادل بایو پلاسٹک یعنی حیاتی پلاسٹک تیار کرلی ہے، یہ ارزاں ہونے کے ساتھ وہی کام دے سکتی ہے جو روایتی پلاسٹک سے لیے جاتے ہیں، علاوہ ازیں استعمال کیے جانے کے بعد یہ زراعتی کھاد کا کام بھی دیتی ہے کیوں کہ اس میں پانی اور کاربن ڈائی آکسائڈ بننے کی صلاحیت بھی ہے، اس ٹیکنالوجی کی ایجاد کا سہرا آسٹریلیا کی حکومت کے سر ہے اب یورپ اور بعض ترقی یافتہ ممالک جاپان اور جرمنی وغیرہ نے بھی بایو پلاسٹک کی تھیلیوں کا تجربہ کیا ہے اور اس میں ایسا پٹرو کیمیکل شامل کیا ہے جو قدرتی طور پر حل پذیر ہوتا ہے، امریکہ کی بایو کورپ نارتھ کمپنی غذائی اشیا کے نشاستہ سے کوڑے کی تھیلیاں، کپ اور کھانے پینے کے برتن بنارہی ہے۔

آسٹریلیا کے سائنس دانوں نے اس سے بہتر بایو پلاسٹک تیار کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے اس میں ۳۳ ڈگری فارن ہائٹ تک کم درجہ حرارت پر بھی محض مٹی کی نمی اور نامیاتی عناصر کے زیر اثر تحلیل ہونے کی صلاحیت ہے۔ (اسپین، مئی-جون ۲۰۰۳ء)

آسٹریلیا کے ماہرین اجرام فلکی نے مرئی کائنات میں ستاروں کی صحیح تعداد معلوم کرنے کا دعویٰ کیا ہے، ان کے اندازے کے مطابق ان کی کل تعداد ۷۰ ہزار ملین ملین ہے، آسٹریلین نیشنل یونیورسٹی ریسرچ اسکول آف ایسٹروفزکس کے سیمن ڈریور نے کہا کہ دنیا کے ریگستانوں اور سمندروں کے ساحلوں پر ریت کے ذروں سے زیادہ تعداد میں ستارے موجود ہیں، سائنس دانوں نے مرئی کائنات کے ستاروں کو شمار کرنے کے لیے دنیا کی نہایت طاقت ور دوربین کا استعمال کیا ہے، انہوں نے اس کے ذریعہ کائنات کے قابل مشاہدہ حصہ پر نظر ڈالنے کے بعد کہا کہ کائناتی حقایق کے عشر عشیر کا بھی انسان احاطہ نہیں کرسکا ہے، انہوں نے کہا جو کائنات ہماری نظر میں ہے اس میں نظر آنے والے ستارے کرۂ ارض کے ریگستانوں میں موجود ریت کے ذروں سے دس گنا زیادہ ہیں، غیر مرئی کائنات جواب تک انسانوں کے مشاہدے سے باہر ہے اس میں کتنے سیارے یا ستارے ہوں گے وہ انسانوں کے لیے سربستہ راز ہیں۔

سائنس دانوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس کائنات میں بے شمار ایسے ستارے بھی موجود ہیں جن کے اردگرد سیاروں کی گردش کا ایک نظام موجود ہے، یہ تمام سیارے کرۂ ارض سے اس قدر دور ہیں کہ ان میں زندگی کے وجود کا پتالگانا انسانوں کے حیطۂ ادراک سے باہر ہے۔

(ماخوذ: از دی ہندو، نئی دہلی)

ترکی کے خبرنامہ ''NEWS LETTER'' سے معلوم ہوا کہ IRCICA نے اسلامی آثار قدیمہ کی پہلی عالمی کانفرنس کے انعقاد کی تیاری شروع کردی ہے، اس موضوع پر یہ پہلی کانفرنس ہوگی، اس کانفرنس میں ایک علمی فورم کا قیام بھی متوقع ہے جو دنیا بھر کے اس فن کے دوسرے علما و ماہرین اور آثار قدیمہ کے محققین اور ان کا نظم ونسق سنبھالنے والوں اور اسلامی آثار قدیمہ یا حفریات سے دل چسپی رکھنے والوں سے رابطہ رکھے گا، کانفرنس کا مقصد اسلامی آثار قدیمہ کے ذوق ومطالعہ کا فروغ اور اس کے لیے عالمی تعاون حاصل کرنا ہے، اس کے انعقاد کا فیصلہ IRCICA کی مجلس عاملہ کے اٹھارہویں اجلاس میں کیا گیا، IRCICA بورڈ نے پہلے اس کانفرنس کے ایک مرکز قایم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو اسلامی آثار قدیمہ کے مطالعاتی منصوبوں، مسایل اور ضرورتوں کا تعین کرے گا، کانفرنس کے نتایج سامنے آنے کے بعد آیندہ کی مزید ضرورتوں کا اندازہ ہوسکے گا، کانفرنس کی پہلی ابتدائی کمیٹی نے فنونِ لطیفہ، آرٹ اور آثار قدیمہ کے ماہرین کی ایک میٹنگ ۲۹؍ مارچ ۲۰۰۳ء کو طلب کی تھی جس میں اسلامی آثار قدیمہ کے مسایل اور ضرورتوں اور مطالعاتی منصوبوں پر تبادلۂ خیال کیا گیا اور کانفرنس کے مرکزی خطوط متعین کیے گئے، اس ابتدائی کمیٹی نے IRCICA کو ۲۰۰۴ء کے اختتام پر پہلی کانفرنس کے انعقاد کی رائے دی اور آیندہ ہر چار سال بعد پھر کانفرنس کرانے کی تجویز بھی پیش کی، دوران میں پیش آمدہ مسایل کے لیے ایک انٹرنیشنل اسٹیئرنگ کمیٹی کی تشکیل کی بات بھی زیر بحث آئی، پہلی کانفرنس کے ایجنڈے پر بھی غور وخوض ہوا اور اس سلسلے میں صحیح رخ طے کرنے اور آثار وباقیات کے تحفظ کے لیے میوزیم وغیرہ کے قیام کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ک۔ص اصلاحی

معارف کی ڈاک

معارف اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ،
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
۱۴؍اگست ۲۰۰۳ء

محترمی ومکرمی جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب زادمجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اللہ کرے آپ خیریت سے ہوں، آپ کا عنایت نامہ نظر نواز ہوا، کرم فرمائی کا شکریہ، ماہنامہ ''معارف اعظم گڈھ'' علوم اسلامیہ کا ایک دائرۃ المعارف ہے اور اس سے بھرپور مستفید ہوتے ہیں، محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے حوالے سے آپ نے جو شذرہ لکھا اس کو ہم ''تاثرات'' کے تحت اپنے خصوصی شمارے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نمبر میں شایع کررہے ہیں، اس میں قدرے ترمیم کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ معارف کے شیدائی تھے اور وہ شروع سے ہی جس رسالے کو اپنا مضمون بھیجتے تھے وہ معارف ہی ہے، شاید ہی اردو کا دیگر کوئی رسالہ ہوگا جس کے لیے باقاعدہ انہوں نے کوئی مضمون لکھا ہو، یہ بڑی عظمت اور معارف کی ان کی نظر میں اہمیت تھی، راقم نے معارف کی پوری فائل جو کہ یہاں اسلام آباد میں دست یاب تھی دیکھ لی ہے اور ایک مقالہ ''معارف اعظم گڈھ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ'' تیار کیا ہے، جو کہ فکر ونظر، اسلام آباد میں شایع ہوگا، اگر آپ مناسب سمجھیں گے تو معارف میں بھی شایع ہوسکے گا۔

''مجلّہ معارف اسلامی'' کی ادارت کی ذمہ داری محترم ڈین کلیہ، عربی وعلوم اسلامیہ جناب ڈاکٹر علی اصغر چشتی صاحب نے راقم کے ذمہ لگائی ہے، ''معارف اعظم گڈھ'' سے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے چند مطبوعہ مقالات اور خطوط کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائیں، ہم یہ سب معارف کے شکریے کے ساتھ شایع کریں گے، ''معارف اسلامی'' کے تبادلہ میں ''معارف'' کو ہمارے لیے جاری فرمادیں، کرم نوازی ہوگی۔

دارالمصنفین کی کتب کی فہرست بھی عنایت فرمائیں، کتب منگوانے اور حاصل کرنے کے لیے راہنمائی بھی فرمائیں، ہمیں اسلام اور مستشرقین کا مکمل سیٹ، تذکرۃ المفسرین ہند، تذکرۃ الفقہا،

دارالمصنفین کی ادبی خدمات کتب کی ضرورت ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے "اخبار تحقیق" کے نام سے ایک نیوز لیٹر شایع ہوتا ہے، راقم ہی اس کو مرتب کرتا ہے، امید ہے کہ آپ کو یہ ملتا ہوگا، اس کی ایک تازہ کاپی پیش خدمت ہے، میرے لایق کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیں، احباب کی خدمت میں سلام۔

والسلام مع الاحترام

محتاج دعا: محمد سجاد

اسسٹنٹ پروفیسر و مدیر "معارف اسلامی"

اردو یونیورسٹی کے متعلق ایک وضاحت

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی،
گچی باؤلی، حیدرآباد۔
۸/ستمبر ۲۰۰۳ء

مکرمی! السلام علیکم

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نئی دہلی نے ایک بار پھر یہ وضاحت کی ہے کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے طلبہ دوسری مرکزی یونیورسٹیوں کے مماثل ہیں، یو جی سی کے انڈر سکریٹری جناب آر بی چوپڑہ کی طرف سے جاری مکتوب میں کہا گیا ہے کہ حکومت ہند نے پارلیمنٹ کے ایکٹ 1997 (نمبر 2 بابت 1997) کے تحت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی قایم کی ہے اور اس کے طلبہ کسی بھی دوسری مرکزی یونیورسٹی کے برابر تسلیم کیے جاسکتے ہیں، یو جی سی نے یونیورسٹی کے قیام کے ابتدائی دنوں میں بھی اس طرح کا ایک مکتوب جاری کرتے ہوئے اس کی کاپی ملک کی تمام یونیورسٹیوں کے رجسٹراروں کو ارسال کی تھی، گزشتہ دنوں بعض جگہوں سے یہ شکایت موصول ہونے پر کہ اردو یونیورسٹی سے فارغ طلبہ کو یہاں کی اسناد کی بنیاد پر آگے کے کسی کورس میں داخلے یا ملازمت کے حصول میں دشواری پیش آرہی ہے، یونیورسٹی نے یو جی سی سے رجوع کیا تھا، جواب میں یو جی سی نے مذکورہ بالا وضاحتی مکتوب نمبر F.41-13/2003(CU) مورخہ 2 ستمبر 2003 جاری کیا ہے، قبل ازیں اسوسی ایشن آف انڈین یونیورسٹیز نے بھی 30 جون 2003 کو اسی سلسلے میں ایک مکتوب ملک کی تمام ممبر یونیورسٹیوں اور اداروں کو ارسال کیا تھا، والسلام۔

(ڈاکٹر) ظفر الدین

پبلک ریلیشنز افسر (انچارج)

وفیات

پروفیسر علی محمد خسرو

سخت افسوس ہے کہ ۲۴/اگست کی شب میں ساڑھے گیارہ بجے مشہور مسلم دانش ور، ملک کے ممتاز ماہر اقتصادیات اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور چانسلر پروفیسر سید علی محمد خسرو نے داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۷/اگست کو دل کا شدید دورہ پڑا تو اسپتال میں داخل کیے گئے لیکن مرض بڑھتا گیا اور آخر دنوں میں حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ خود سے سانس نہیں لے سکتے تھے اور آلۂ تنفس کا سہارا لینا پڑا بلڈ پریشر بہت لو ہو گیا تھا بالآخر ۷۹ برس کی عمر میں وقت موعود آ گیا، پس ماندگان میں ایک صاحب زادے اور ایک صاحب زادی ہیں۔

۲۵/اگست کو غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین کے قریب عرس محل میں عصر بعد نماز جنازہ ادا کی گئی اور درگاہ عماد الدین فردوسی کے پاس خسرو باغ میں تدفین ہوئی۔

موت تو ہر ایک کو آنی لابد ہے لیکن خسرو صاحب کی موت ایک بڑا قومی و ملی سانحہ ہے، وہ ملک کے مایہ ناز فرد، قومی اہمیت کے حامل اور زرعی و مالی اقتصادیات میں عالم گیر شہرت کے مالک تھے اور جس ملت سے ان کا تعلق تھا اس میں بڑا قحط الرجال ہے، اس کے یہاں جو جگہ خالی ہوتی ہے وہ پر نہیں ہوتی، خسرو صاحب جیسے بلند پایہ، عالی دماغ، کامل الفن اور یگانہ شخص کی خالی جگہ بھی پر ہوتی نظر نہیں آتی۔

سید علی محمد خسرو کا تعلق حیدرآباد کے ایک ممتاز خاندان سے تھا، وہ یہیں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے تھے، مدرسہ عالیہ اور نظام کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد لندن چلے گئے اور لیڈز یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کیا، وطن واپس آنے کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی، ۳۱ برس کی عمر میں وہ دہلی کے انسٹی ٹیوٹ آف اکنامکس

سے وابستہ ہوئے اور براہ راست پروفیسر بنادیے گئے، بدرالدین طیب جی کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں وائس چانسلر کا منصب سنبھالا، بعد میں چانسلر بھی بنائے گئے، جرمنی میں ہندوستان کے سفیر رہے، وزیراعظم کی معاشی کونسل کے رکن نامزد کیے گئے، پلاننگ کمیشن کے بھی رکن ہوئے، ریزروبینک کے ڈائرکٹر بنائے گئے، فنانشیل اکسپریس کے مدیر مقرر ہوے، آغا خاں فاؤنڈیشن کے ہندوستانی دفتر کی سربراہی کی، گیارہویں مالیاتی کمیشن کے چیرمین ہوئے، ملک کے باہر جانے والے کئی ہندوستانی کمیشنوں کی قیادت کی اور بعض ملکوں میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے بھی ان کو مدعو کیا گیا۔

خسروصاحب کی زندگی علمی و تعلیمی جدوجہد میں گزری، وہ مدۃ العمر اداروں اور تنظیموں سے وابستہ رہے، کئی کمیشنوں اور منصوبوں کی سربراہی کی، ریٹائر ہونے کے بعد بھی ملک میں ان کی بڑی مانگ تھی، ہاتھوں ہاتھ۔ لیے جارہے تھے اور ان کی پذیرائی میں کوئی کمی نہیں ہورہی تھی لیکن دست اجل نے اس جوہر قابل کو ہم سے چھین لیا۔

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ ہم ہی سوگئے داستاں کہتے کہتے

خسروصاحب کے کمالات اور خدمات کا بڑا اعتراف کیا گیا اور گوناگوں اعزازات سے نوازے گئے۔

خسروصاحب کی سرگرمیوں کا ایک خاص محور علم کا فروغ اور درس وافادہ تھا، اسی سے ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا تھا اور اسی دشت کی سیاحی میں ساری عمر گزاری تھی، انہوں نے زندگی بھر علمی و تعلیمی اداروں کی سربراہی کی، ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، معاشیات ان کا خاص موضوع تھا اس میں وہ اتھارٹی کا درجہ رکھتے تھے، بعض کتابیں بھی لکھی تھیں، برابر معاشی اسکیموں اور منصوبوں کی رہنمائی کرتے رہے، ملک کی معاشی گتھیاں سلجھانے میں حکومت کبھی ان کی خدمات کو نظرانداز نہیں کرسکی اور برابر ان کے مشوروں اور تجربوں سے فایدہ اٹھاتی رہی، اس میدان میں ان کی مہارت سے ملک وقوم کو بڑا فیض پہنچا۔

وہ سیاست کی خارزار سے کبھی نہیں الجھے اور نہ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ ہوئے مگر ان میں سیاسی بصیرت بدرجہ اتم تھی اور وہ ملکی و عالمی سیاست پر گہری نظر رکھتے تھے، ان میں نظم و

انصرام کی غیرمعمولی صلاحیت تھی، ذہین وطباع بھی تھے، حکومت ہند نے ان کی بالغ نظری، فراست، تدبر اور انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں جرمنی جیسے ترقی یافتہ ملک کا سفیر بنایا تھا اور اس حیثیت سے انہوں نے اپنے ملک کا نام بھی روشن کیا اور اپنی نیک نامی کا سامان بھی کیا۔

خسروصاحب نے اعتدال اور حقیقت پسندی کی بنا پر بڑے بڑے عہدوں پر فایز ہونے کے باوجود اپنی ملی شناخت باقی رکھی اور اپنی قوم وملت سے اپنا رشتہ کبھی منقطع نہیں ہونے دیا، وہ مسلمانوں کے پروگرام، ان کی کانفرنسوں اور اجتماعات میں بڑے شوق سے شریک ہوتے اور کھل کر اپنی رائے دیتے، مسلمانوں کے مسایل سے ان کو خاص دل چسپی تھی اور ان کے حل میں معاونت کے لیے ہروقت تیار رہتے، وہ انہیں اپنے مذہب پر قایم رہتے ہوئے روح عصر سے ہم آہنگ ہونے، قوم وطن کی سرگرمیوں میں حصہ لینے اور ملک میں ہونے والی ترقیات اور مواقع سے فایدہ اٹھانے، اپنی معاشی حالت بہتر بنانے کی تلقین کرتے رہتے تھے، ان کو مسلمانوں کے روزگار کے مسئلے سے بڑی دل چسپی تھی اور وہ اوقاف کو ان کا بیش بہا اثاثہ اور ان کی ترقی کا اہم وسیلہ خیال کرتے تھے۔

مولانا سید احمد ہاشمی مرحوم سابق ناظم جمعیۃ علماے ہند کے یہاں کی ایک مجلس میں جس میں علما اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لوگ شریک تھے، سود کے مسئلے پر اپنی یہ رائے دی کہ ”شریعت نے اس سود کو ناجایز قرار دیا ہے جس میں غریب اور ضرورت مند افراد کو قرض دے کر ان کا استحصال کیا جاتا تھا، بینکوں کے سود میں اس طرح کا کوئی معاملہ نہیں ہوتا، یہ بینکوں کے منافع کا ایک حصہ ہوتا ہے، اس کو نفع، منافع یا اضافہ کے دایرے میں رکھا جاسکتا ہے، اس کو سود کا نام دے دینے یا سود ماننے اور کہے جانے کی وجہ سے مسلمان اس رقم سے فایدہ اٹھانے سے محروم رہتا ہے“۔

ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کیا حکومت کی ناانصافی اور زیادتی کے خلاف احتجاجاً گاندھی جی کی طرح مسلمانوں کو بھی ترک موالات اور عدم تعاون کا راستہ اختیار کرنا چاہیے، خسرو صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ”دونوں وقتوں کے حالات میں زمین آسمان کا فرق ہے، اُس وقت کے حکمراں غیرملکی تھے، اُن کے مفادات اور ملک کے مفادات میں ٹکراؤ تھا، گاندھی جی کا سودیشی

اور کھادی کا پروگرام ملک کے مفاد کے مطابق تھا، وہ حربہ کامیاب ہوگیا، اب حکم راں ہندوستانی ہیں، ان سے اقتصادی عدم تعاون ناممکن ہے، اگر اس طرح کی کوئی کوشش کی گئی تو اس سے مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہوگا، سیاسی عدم تعاون کا فیصلہ سیاسی لیڈروں کو کرنا چاہیے، میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم اور اقتصادی مواقع کی طرف پوری توجہ دینی چاہیے"۔

خسرو صاحب مسلمانوں کے تعلیمی و اقتصادی فروغ کے لیے برابر تگ و دو کرتے رہے، سیکولرازم پر ان کا پختہ یقین تھا، وہ جدید تعلیم کے پروردہ تھے، ان کا تعلق بھی جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے زیادہ رہا مگر مشرقی اور ہند اسلامی تہذیب کے دامن سے ہمیشہ چمٹے رہے، علما اور قدامت پسند لوگوں سے ملنے ملانے اور ان کی مجلسوں اور جلسوں میں جانے سے احتراز نہ کرتے، وہ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے پچاسی سالہ جشن میں بھی شریک ہوئے تھے، یہیں میں نے ان کو پہلی بار دیکھا تھا، دارالمصنفین سے اچھی طرح واقف تھے، اس کے کاموں کے مداح تھے، لیکن یہاں کبھی تشریف نہیں لاسکے جس کی ان کو حسرت رہی، وہ بڑے اچھے مقرر تھے، ایک دفعہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی کورٹ کے جلسے میں مجھے ان کی تقریر بہت پسند آئی، جلسے کے بعد اس کی داد دیتے ہوئے ان سے عرض کیا کہ آپ کی مبارک زبان سے ایسی ہی پیاری تقریر دارالمصنفین اعظم گڈھ میں سننا چاہتا ہوں، فرمایا تو بسم اللہ میں تیار ہوں، مجھے بھی دارالمصنفین دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے، یہ پہلی مرتبہ دعوت ملی ہے، میں انشاءاللہ ضرور حاضر ہوں گا، لیکن آج کل میں منصوبہ بندی کمیشن کی رپورٹ تیار کررہا ہوں، اس کی وجہ سے بڑی مشغولیت ہے، پھر اپنا وزیٹنگ کارڈ مجھے دیتے ہوئے کہا کہ اکتوبر تک خط لکھ کر دریافت کیجیے، میں نے خط لکھا مگر اس وقت کسی اور مصروفیت کی بنا پر عذر کیا، اس کے بعد بھی کئی بار متوجہ کیا مگر کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آتی رہی، دو برس پہلے یوم سرسید کا شاندار جلسہ انجمن اسلام ممبئی میں ڈاکٹر محمد اسحاق جیم خانہ والا اور جناب رضوان اعظمی کے زیر اہتمام ہوا تھا جس میں سرسید کے افکار و خیالات کے شارح و ترجمان کی حیثیت سے وہ مدعو کیے گئے تھے، میں اس وقت وہیں تھا اور محمد اسحاق صاحب صدر انجمن اسلام اور رضوان اعظمی صاحب کی دعوت پر جلسے میں شریک ہوا اور ان کی تقریر سے محظوظ ہوا، اس کے بعد پھر ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔

خسرو صاحب کی تقریر بڑی دل کش اور سحر انگیز ہوتی، اردو اور فارسی کے سینکڑوں اشعار انہیں یاد تھے، انہیں برمحل پڑھ کر وہ اپنی تقریر میں بڑا اثر اور کشش پیدا کردیتے تھے، کبھی کبھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے جلسے میں بڑی گرمی گرما ہوتی اور کسی رائے پر اتفاق نہ ہوتا تو وہ چانسلر کی حیثیت سے تقریر کرنے کھڑے ہوتے، ان کی دل نواز مسکراہٹ ہی سے سکون پیدا ہوجاتا اور چاہے لوگوں کے دل نہ مطمئن ہوتے رہے ہوں لیکن ان کی تقریر سب کو خاموش ضرور کردیتی تھی، وہ بڑے باغ و بہار آدمی تھے، جس محفل میں ہوتے اپنی خوش طبعی، زندہ دلی، بذلہ سنجی اور حسن گفتار سے اسے زعفران زار بنا دیتے، ان کو علم و ادب کا بھی اچھا ذوق تھا، اردو شاعری سے عشق تھا، شعر بھی کہتے تھے۔

خسرو صاحب خلیق، وضع دار، ملنسار اور شریف النفس انسان تھے، اقتصادیات کے ماہر ہونے کے باوجود طبیعت میں خشکی نہ تھی، بڑے شگفتہ مزاج اور تہذیب و شائستگی کا نمونہ تھے، بڑے عہدوں پر متمکن رہنے کے باوجود کم ظرف افسروں کی طرح ان میں رعونت، غرور، ضد اور اکڑ پن نہ تھا بلکہ عاجزی و انکسار کا پیکر تھے، وہ گفتار کے نرم مگر رفتار کے گرم تھے، ضرر رسانی تو درکنار کبھی کسی پر غصہ بھی نہ ہوتے، وہ کسی انسان کے استحصال کو پسند نہ کرتے، اسی لیے پیدل چل لیتے مگر رکشہ کی سواری نہ کرتے۔

اللہ تعالیٰ عالم آخرت میں ان کے درجات بلند کرے اور متعلقین کو صبر جمیل مرحمت فرمائے، آمین۔

ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی

پروفیسر سید علی محمد خسرو کے انتقال کے دو ہی دن بعد ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی نے بھی ۲۶؍ اگست کو رخت سفر باندھا اور رحلت فرماگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر قریشی لکھنؤ کے مشہور و مقبول معالج، ہومیوپیتھی کے حاذق ڈاکٹر، دینی تعلیمی کونسل کے روح رواں، اس کے اولین کارواں کے آخری مسافر اور مختلف اصلاحی، دینی، قومی، ملی، تعلیمی اور اجتماعی تحریکوں اور تنظیموں کے ہم دم و دم ساز تھے ان کی وفات سے جو خلا ہوا ہے، اس کا پُر ہونا مشکل ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا وطن پرتاپ گڑھ تھا، نیشنل ہومیو پیتھک کالج میں لکچرر ہو کر لکھنؤ تشریف لائے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے، شدہ شدہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تعلق ہو گیا جو اتنا بڑھا کہ سفر وحضر ہر جگہ ان کے ساتھ رہتے ۱۹۶۲ء میں مولانا جنیوا، لندن اور اسپین وغیرہ کے سفر پر گئے تو انہیں بھی اپنے ہم راہ لے گئے، ایک عرصے تک وہ مولانا سے ایسا گھل مل کر رہتے تھے کہ ان ہی کے خاندان کے فرد معلوم ہوتے تھے، مولانا کے برادر اکبر ڈاکٹر سید عبدالعلی سابق ناظم ندوۃ العلما کی بیماری کے زمانے میں بڑی دل سوزی سے ان کی خدمت کی اور وفات کے بعد ان ہی کے مطب میں پریکٹس شروع کی مگر بعد میں نخاس میں اکبری گیٹ کے پاس اپنا ذاتی مطب کھولا اور دیکھتے دیکھتے مریضوں کا ایسا تانتا بندھنے لگا کہ ظہر کی نماز کے لیے بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔

وہ مجھ سے اکثر شکایت کرتے کہ لکھنؤ آکر چلے جاتے ہو نہ خود ملتے ہو، نہ ملنے کا موقع دیتے ہو، ایک مرتبہ گیارہ بارہ بجے گیا تو ہجوم دیکھ کر گھبرا گیا، کسی طرح اطلاع کرائی تو فوراً تشریف لائے اور اوپر لوا گئے اور کہا آرام کرو، ظہر کا کھانا اور عصر کی چائے سے پہلے نہیں جا سکتے، میں نے کہا میں تو آپ کی شکایت دور کرنے آیا تھا مجھے اور بھی کام ہیں، کہنے لگے میں بھی کام ہی سے روک رہا ہوں، بعد میں انجمن تعلیمات دین اور قوم و ملک کے دوسرے مسایل پر بڑی مفصل گفتگو کرتے رہے۔

اپنے پیشہ میں ڈاکٹر صاحب بہت کامیاب تھے لیکن ان پر ایسا گہرا دینی رنگ چڑھ گیا تھا کہ دین وملت کے لیے ہر وقت تڑپتے اور فکر مند رہتے تھے، پیشے کی عزت و شہرت اور اس کے ذریعہ ملنے والی یافت، ہر چیز ضمنی اور ہیچ ہو گئی تھی، اپنے وجود کو دینی، اجتماعی اور ملی اداروں اور تحریکوں کے لیے وقف کر دیا تھا ؎

پھاڑ کر جیب و آستیں کر علمِ جنوں بلند   عشق کے میر کارواں پرچم خسروی نہ دیکھ

مسلم مجلس مشاورت اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے نہایت سرگرم ممبر رہے، یو۔پی کے مخصوص حالات کی بنا پر ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی مرحوم نے مسلم مجلس قایم کی تو اس کے بھی فعال رکن اور فریدی صاحب کے معتمد رہے اور اس کے ٹکٹ پر سیتاپور سے پارلیمنٹ کی ممبری کے لیے الکشن میں کھڑے ہوئے مگر کامیاب نہیں ہوئے، مولانا علی میاں سے متعلقہ اداروں دار العلوم

ندوۃ العلما، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام اور تحریک پیام انسانیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مدتوں ان سے وابستہ رہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوئی تھی اور اس کے لیے ان کے دل میں بڑا درد تھا، وہ اسے ملت اسلامیہ کا سرمایہ سمجھ کر اس کی پاسبانی تاعمر کرتے رہے، وہ متعدد بار کورٹ کے ممبر بھی رہے، جب اس کا اقلیتی کردار سلب کیا گیا تو وہ نہایت متفکر اور پریشان ہوئے اور اس کی بحالی کرا کے ہی دم لیا، حالات معمول پر آنے کے بعد بھی وہ اس کے امتیازات و خصوصیات کے بقا وتحفظ کے لیے برابر جد و جہد کرتے رہے، ان کے لیے یونیورسٹی کا اپنے مقاصد سے منحرف ہو جانا اور سرسید کے خوابوں کی تعبیر نہ بننا کسی حال میں بھی گوارا نہ تھا۔

مدت سے ڈاکٹر صاحب کی فکر وتوجہ کا سب سے بڑا مرکز دینی تعلیمی کونسل بن گئی تھی، اس تحریک کے اصل بانی قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم تھے، انہوں نے مولانا سید ابوالحسن علیؒ کی سرپرستی میں اسے کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر ان کے اور ان کے رفقائے کار جناب ظفر احمد صدیقی، مولانا محمود الحسن عثمانی اور جناب ریاض الدین صاحب کے ایک ایک کر کے اٹھ جانے کے بعد جب ہر طرف سناٹا ہو گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے پردۂ غیب سے ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی کو نمودار کیا

ع   مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

انہوں نے اپنی ساری قوت وقابلیت دینی تعلیمی کونسل میں لگا دی اور حالات کی نامساعدت، وسایل کی کمی اور صحت کی کمزوری کے باوجود اس کا دائرہ مزید وسیع کر دیا اور اپنا وقت، اپنی کمائی، اپنی صحت اور اپنی پریکٹس سب کچھ اس کے لیے قربان کر دیا، انہوں نے دینی تعلیمی کونسل اور مائنارٹیز ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری کی حیثیت سے عظیم الشان کارنامے انجام دے کر اپنی ملت پر بڑا احسان کیا، ان کے لیے حکمرانوں اور بد دیانت ومتعصب سرکاری افسروں سے لڑائیاں لڑیں، عدالتوں کے در کھٹکھٹائے اور خود اپنی بے حس ملت کو جھنجھوڑ کر اس بنیادی اور ضروری کام کی اہمیت سے آگاہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب کے ایثار وقربانی، جرأت وبے باکی، قوت عمل اور ملی دردمندی واخلاص کا ایک مظہر ہفتہ وار ندائے ملت بھی تھا جسے عرصہ دراز سے وہ دینی تعلیم کے فروغ، اقلیتی مسایل

کی ترجمانی اور تعلیمی ہی نہیں مسلمانوں کے ساتھ دوسرے دائروں میں ہونے والی ناانصافیوں اور زیادتیوں کے تدارک کے لیے خسارے سے نکالتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک بچوں سے زیادہ بچیوں کی تعلیم کا مسئلہ اہم ہے کیوں کہ ان کی کوکھ سے آیندہ وہ نونہال تیار ہوں گے جن کے ارتداد اور ان کے دین و ایمان پر قزاقی کے لیے دیومالائی نصاب تعلیم کے ذریعہ پورا ساماں کیا جارہا ہے، اگر مائیں دینی تعلیم سے بہرہ ور نہ ہوں گی تو آیندہ نسلوں کے ایمان و عقیدے کی سلامتی کی کیا ضمانت ہوسکتی ہے، اسی لیے انہوں نے پہلے اپنے گھر ہی میں بچیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا اور جب خدائے کارساز نے وسعت و فراخی عطا کی تو لکھنؤ کے مضافات میں مہپت مئو میں جامعہ نور الاسلام نسواں قایم کیا جس میں اب کمپیوٹر سنٹر بھی قایم ہوگیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اصل خوبی ان کی دیانت، دین داری، دینی غیرت، حمیت اور تڑپ تھی، ان کا دل خوف و خشیت الٰہی سے معمور تھا، انہیں دیکھنے اور ان سے ملنے والا ان کے تقویٰ و اخلاص سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، وہ اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے بے قرار رہتے، مگر وہ بڑے کھرے اور صاف گو تھے، حق بات کہنے میں ان کو جھجھک نہ ہوتی، ان میں کسی طرح کی بناوٹ اور تصنع نہ تھا، ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا، اس کی وجہ سے وہ لچک اور مصلحت بینی کو پسند نہیں کرتے تھے اور نہ مداہنت یا مفاہمت کو برداشت کرتے، علمائے کبار و مشائخ عظام کی زندگیوں میں تضاد اور دورنگی دیکھ کر برافروختہ ہوجاتے کہ ع اب کسے رہنما کرے کوئی۔ دین کا دم بھرنے اور دینی کام کرنے والوں میں اگر اخلاص و تقویٰ کی کمی یا ان کے ظاہر و باطن میں تفاوت دیکھتے تو اس پر لب کشائی سے باز نہیں رہتے، اپنی اس حق گوئی کا انہیں خمیازہ بھی بھگتنا پڑا کہ جن لوگوں سے مدت مدید سے گہرے تعلقات تھے ان سے دوری اور کشیدگی ہوگئی ؎

اک عمر کی بربادی، اک عمر کی تنہائی ۔ اک جرم محبت کی کیا کچھ نہ سزا پائی

ڈاکٹر صاحب کی وفات علم و تعلیم اور دین و ملت کا بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی تلافی فرمائے، انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

(ض)

ادبیات

قصیدہ در حمد باری تعالیٰ

از ڈاکٹر محمد ولی الحق انصاری ☆

اے رب کائنات، شہ دار مغفرت ۔ آراستہ ہو عفو سے دربار مغفرت
جنسِ گناہ لے کے خریدار مغفرت ۔ بیٹھے ہوئے ہیں برسرِ بازار مغفرت
تو لطف اور کرم کا ہے وہ بحرِ بے کنار ۔ اٹھتا ہے جس سے ابر گہر بار مغفرت
بستی گناہ گاروں کی ہے سلطنت تری ۔ تو منبعِ کرم ہے جہاں دار مغفرت
مسلک ہے اپنا پیرویِ شاہ انبیا ۔ ہے اپنے سامنے رہ ہموار مغفرت
رہتا ہے جن کے پیش نظر روضۂ رسول ۔ کرتے ہیں چشم دل سے وہ دیدار مغفرت
ہوتی ہے اس کی روح ثنائے رسول پاک ۔ وہ بزم جس میں ہوتی ہے گفتار مغفرت
اصحابِ مصطفےٰ میں ہیں ایسے بھی دس بزرگ ۔ پہلے ہی جن سے ہوچکا اقرار مغفرت
مقصد کسی کا خلد کسی کا تلاش حق ۔ سب کا نہیں ہے ایک سا معیار مغفرت
رہتی ہے جس کو لیلیٰ عرفان کی جستجو ۔ ہیں والہان گیسو و رخسار مغفرت
دنیائے بعد مرگ کو کچھ بھی بتائیں لوگ ۔ ہم تو یہ جانتے ہیں وہ ہے دار مغفرت
انصاف کے ہیں تحت سزا اور جزا، مگر ۔ روزِ ازل سے ان سے ہے پیکار مغفرت
غلمان و حور و سدرہ و طوبیٰ و قصرِ خلد ۔ ہیں سب حقیقتاً گلِ گلزار مغفرت
کچھ بھی نہیں ہیں کوثر و تسنیم و سلسبیل ۔ ان سب میں ہے رواں یم انہار مغفرت
دوزخ کے التہاب سے بچتا نہ خلد بھی ۔ ہوتی اگر نہ بیچ میں دیوار مغفرت
ہوتی نہ روشنی کی کرن تک بہشت میں ۔ ہوتے نہ جلوہ ریز اگر انوار مغفرت
دنیا میں اس کے لطف پہ تکیہ کیے تھے جو ۔ بازارِ حشر میں ہیں خریدار مغفرت
ہیں کافرانِ عشق کے انداز بھی عجیب ۔ ایمان ہے دل میں جسم پہ زنارِ مغفرت
مت پوچھیے صراط پہ ان کی سبک روی ۔ دنیا سے لے چلے جنھیں رہوار مغفرت

☆ دارالامان، ۲۷ فرنگی محل، لکھنؤ۔

ان کے دلوں میں پرسشِ محشر کا خوف کیا — جن کے سروں میں رہتا ہے پندار مغفرت
ان کی نظر میں کوثر و تسنیم سب ہیں ہیچ — جو ہیں شراب عفو سے سرشار مغفرت
ہیں زلفِ حور و طرۂ غلماں سے بے نیاز — سرگشتگانِ کوچۂ دلدارِ مغفرت

مناجات در رباعیات[1]

(۲)

از ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ☆

ہر شے میں نہاں ہے تری قدرت یارب — ہر شے سے عیاں ہے تری قدرت یارب
سب انفس و آفاق کا عنوانِ وجود — بے ریب و گماں ہے تری قدرت یارب

موقع کوئی خوشیوں کا بہم ہے یارب — یا دل پہ مرے کوہِ الم ہے یارب
جس حال میں بھی بندے کو تو چاہے رکھ — ہر حال میں بس تیرا کرم ہے یارب

پابندِ رہِ صدق و وفا ہوں یارب — ہر مکر سے دنیا کے جدا ہوں یارب
کھلتی ہی نہیں زباں مری سچ کے سوا — اور اس کی سزا بھگت رہا ہوں یارب

خوش مجھ سے کوئی گھر میں نہ باہر یارب — کیا عیب ہے ایسا مرے اندر یارب
کیوں لگتی ہے لوگوں کو مری بات بری — "حق گوئی" ہے کیا ایسی ہی "بدتر" یارب؟

کب تک یہ دن آماجگہ شب یارب — کب تک رہے دل خوں سے لبالب یارب
ہنستے رہیں کفار، مسلمانوں پر — بدلیں گے یہ حالات، مگر کب یارب؟

کب تک یوں ہی ظالم کے مقابل یارب — مظلوم نظر آئیں گے بسمل یارب
کب تک تری زمیں پہ دندناتے ہوئے — آزاد پھریں گے یوں ہی قاتل یارب؟

نیکوں پہ چلے گا یوں ہی خنجر یارب — بدکار بنیں گے یوں ہی رہبر یارب
دنیا میں کبھی ختم بھی ہوگا یہ کھیل — یا حشر تلک ہے یہی منظر یارب

ہر غنچۂ خاطر ہو شگفتہ یارب — کھل جائیں سب اسرار نہفتہ یارب
ہو مری نوا، ایسی مؤثر، جس سے — بیدار ہو یہ ملت خفتہ یارب

[1] پہلی قسط کے لیے ملاحظہ ہو معارف مارچ ۲۰۰۳ء۔

☆ 4/118اے، لوکو کالونی (نئی آبادی) علی گڑھ۔

مطبوعات جدیدہ

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ حیات و خدمات: از پروفیسر محمد عبدالحئی فاروقی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۷۷، قیمت: ۲۵۰ روپے، پتہ: کتب خانہ عزیزیہ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی نمبر ۶۔

گذشتہ صدی کے نصف اول کے طبقۂ علما میں مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی کا نام صف اول میں آتا ہے، تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و تبلیغ میں ان کی ذات جامع کمالات تھی، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے نصف اول کے اسلامی ہندوستان کی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی زندگی ہر لحہ جن انقلابات سے دوچار تھی اس کا تصور بھی اب دشوار ہے، ایسے حالات میں مولانا فاروقی قریب نصف صدی تک زبان و قلم سے اصلاح و تجدید کا فریضہ انجام دیتے رہے، تفسیر و حدیث اور فقہ میں ان کی مفید اور پر مغز کتب اور تحریریں اپنے آسان اور سادہ اسلوب کی وجہ سے بہت مقبول ہوئیں لیکن ان کی زندگی کا سب سے نمایاں باب، مناظرانہ ادب کا ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ متانت و شرافت کے اعتبار سے یہ اپنی آپ مثال ہے، فرق و مسالک کے مطالعہ اور رد کے معاملے میں مولانا دریابادی کی یہ رائے پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ "طبعاً مولانا لکھنوی بڑے شریف، باوقار، صلح کل اور آشتی پسند تھے، مناظرے کی راہ محض دفاع میں اور مجبوراً اختیار کرنی پڑی تھی" زیر نظر کتاب کا بڑا حصہ قدرتاً اسی داستانِ مناظرہ کے لیے خاص ہے، جس میں اودھ خصوصاً لکھنؤ کے شیعہ سنی اختلافات کا مفصل جائزہ لے کر بتایا گیا ہے کہ نوابین اودھ کے تشیع اور شیعہ نوازی کے باوجود، اختلافات کی تلخی نہیں تھی، اس کی ابتدا ایک شیعہ واعظ کے ذریعہ ہوئی اور بہت جلد پورا ماحول اس کی زد میں آگیا، مولانا نے اس کے رد و دفاع میں جس جرأت و حکمت سے کام لیا اس کی ایک مثبت مثال تحریک مدح صحابہؓ کا قیام ہے جس کے اثرات اب تک محسوس کیے جاتے ہیں، محنت و خلوص کی وجہ سے وہ امام اہل سنت کے خطاب سے یوں سرفراز ہوئے کہ یہ گویا ان کے نام کا جز و ہوگیا، یہ باب اس درجہ مکمل ہے کہ گویا

اس قضیہ کی پوری تاریخ کو شامل ہے، اس کے علاوہ بریلوی حضرات اور قادیانیوں سے مناظروں کی تفصیل بھی ہے، فاضل مصنف نے دیانت داری سے اس زمانے کے ماحول اور پس منظر کو بھی بیان کردیا ہے جس سے ان مناظروں کی ضرورت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، مصنف مولانا لکھنوی کے پسر زادہ ہیں اس لیے خاندان اور ذاتی زندگی کی ایسی جھلکیاں بھی آگئی ہیں جن سے اوروں کی واقفیت آسان نہیں تھی، مولانا کے رسالہ النجم اور ادارہ دارالمبلغین کے متعلق بھی عمدہ معلومات ہیں، تصانیف، خیالات خصوصاً فقہ میں ان کی عظمت اور تصوف سے تعلق پر بھی مفصل اظہار خیال کیا گیا ہے، ایک باب میں ان کے نامور معاصرین کے اور دوسرے باب میں منظوم تاثرات بھی درج کردیے گئے ہیں، اس طرح یہ کتاب امام اہل سنت کی گویا مستند و جامع سوانح ہے، جو طباعت و کتابت کی ظاہری خوبیوں سے بھی نمایاں ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی کا انقلابی منصوبہ: مرتب جناب ابوسلمان شاہ جہاں پوری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۴۰، قیمت: ۱۰۰ روپے، پتہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بہار۔

ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں جن سرکردہ قائدین کی خدمات ناقابل فراموش ہیں ان میں مولانا عبیداللہ سندھی کا نام بھی بڑا نمایاں ہے، حمایت و مخالفت سے قطع نظر ان کے مذہبی و سیاسی خیالات کی بازگشت اس دور کے ہر طبقہ میں سنجیدہ سمجھی جاتی تھی، اس سلسلے میں ان کا منصوبہ ترکی، خاص طور پر قابل ذکر ہے جس میں ہندوستان کے سیاسی مسایل کا حل، ہندو مسلم فرقہ وارانہ اختلافات کے پس منظر میں پیش کیا گیا تھا، ملک کے اتحاد کو قایم رکھنے اور ہر طبقے اور علاقے کے مفاد کو مدنظر رکھنے میں اس منصوبہ کی اہمیت آج زیادہ واضح نظر آتی ہے، مولانا سندھی نے یہ منصوبہ اتحاد، مہا بھارت سرور اجیہ پارٹی کے نام سے ترکی میں اپنی جلاوطنی کے دوران تیار کیا تھا اس کے متعلق بہ جا طور پر کہا گیا کہ یہ کسی ہندوستانی کی طرف سے آزاد ہند کا پہلا آئین ہے، چالیس دفعات پر مشتمل یہ لائحہ عمل گرچہ کانگریس اور مسلم لیگ کے نقار خانوں میں اپنی آواز گم کر بیٹھا لیکن اس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اقتصادی بنیاد پر کاشت کاروں، محنت کشوں کے مفاد کو ترجیح دے کر مذہبی، لسانی اور علاقائی اتحاد کو قایم رکھنے میں یہ آئین اس درجہ مفید ثابت ہوتا کہ ملک کی تقسیم اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے

والے بے شمار مسایل آج برصغیر کا مقدر نہ ہوتے، فاضل مرتب کی نظر میں اس دور کے قریب تمام سیاسی نظریات، انتہا پسند تھے، اعتدال و توازن اور جامعیت کا حامل نقطۂ نظر مولانا سندھی کا تھا، یہ منصوبہ ۱۹۲۴ء میں ترکی سے اردو اور انگریزی میں شایع ہوا تھا، ۱۹۵۴ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان کے مجلہ تاریخ و سیاسیات میں اس کو شایع کیا گیا تھا لیکن وہ بھی اب کہاں دست یاب ہے، فاضل مرتب نے اس نایاب دستاویز کی اہمیت کے پیش نظر ایک قیمتی مقدمے اور بعض اور متعلقہ تحریروں کے ساتھ شایع کر کے ایک داستان پارینہ کو زندہ کردیا جس میں سندھ ساگر پارٹی، سندھ ساگر نیشنل بورڈ جیسی تجویزوں کے متعلق بھی مولانا سندھی کی نادر تحریریں یکجا کردی گئیں، تاریخ کے صفحات میں قید ایسی تحریروں کی یہ افادیت بہر حال مسلم ہے کہ ان سے آزادیٔ ہند کی مختلف کوششوں کی قدر و قیمت متعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے، البتہ مقدمے میں فاضل مرتب کے بعض خیالات میں تضاد نظر آتا ہے، مثلاً انہوں نے لکھا کہ مولانا سندھی کی اسکیم کا کسی اور اسکیم سے موازنہ ہی نہ کرنا چاہیے کیوں کہ یہ جامع الاطراف تھی لیکن چند سطروں کے بعد وہ نہرو رپورٹ سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے مولانا سندھی کے پروگرام کا موازنہ غلط نہیں ہوسکتا۔

جہان غالب: از جناب قاضی عبدالودود مرحوم، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت مناسب، صفحات ۲۹۴، قیمت: ۱۰۰ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

تحقیق و تنقید خصوصاً غالبیات میں قاضی عبدالودود کا نام محتاجِ تعارف نہیں، مطالعہ کی وسعت، تلاش و جستجو کی محنت اور فکر و نظر کی دقت و مہارت نے ان کی ہر تحریر کو خواہ مختصر ہو یا مفصل، بلند پائیگی عطا کی، غالب سے متعلق وہ اپنے رسالہ معاصر پٹنہ اور اردو کے دیگر رسایل و جرائد میں وقتاً فوقتاً تعلیقات و حواشی اور تصحیح کی شکل میں جہانِ غالب کے نام سے مطالعات و افادات کی ایک دنیا آباد کرتے رہے، خدابخش لائبریری نے ان مفید منتشر تحریروں کو یکجا کرنے کا قابل قدر منصوبہ تیار کیا زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، یہ برسوں پہلے شایع ہوئی، افسوس ہے کہ اس کا ذکر غیر معمولی تاخیر سے کیا جاتا ہے، آذری، خان آرزو، حکیم باطن، آزردہ، آزر کیواں، ذوق، قتیل، نواب صدیق حسن خاں وغیرہ رجال غالب کے متعلق حواشی و تعلیقات بجائے خود معلومات کا ایک جہان ہیں، مخطوطہ دیوان غالب، تذکرہ عشقی، خمستان کیفی، سراج المعرفت، خاش و خماش پر قاضی صاحب کے

تبصرے ان کی تحقیق وتدقیق کے غماز اور غالبیات سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے گویا معلومات کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہیں، افسوس ہے کہ اس قدر اہم کتاب کی ترتیب وکتابت پر خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی، ناشر کو "مضامین کی نوعیت" سے غلطیوں کے امکان کا احساس بھی تھا، اس کے باوجود یہ حسن ظن کافی نہیں کہ "جہان غالب پڑھنے والے جس سطح کے ہوں گے وہ آسانی سے صحیح اور غلط کی تمیز کرلیں گے"۔

احتشام حسین اور جدید اردو تنقید: مرتبہ پروفیسر فضل امام رضوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۵۶، قیمت: ۱۵۰ روپے، پتہ: شعبہ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد اور مکتبہ جامعہ وانجمن ترقی اردو، دہلی۔

اردو تنقید میں سید احتشام حسین کو منصب امامت حاصل ہے، ترقی پسند ادب اور مارکسی فکر کے زمانۂ عروج میں اردو تنقید متعدد باکمال نقادوں سے صاحب تزک واحتشام ہوئی، ان میں فلسفہ ودانش اور حکمت وبصیرت اور توازن، سنجیدگی اور سب سے بڑھ کر شرافت قلم کی خوبیوں کی وجہ سے احتشام حسین کی تحریریں ان حلقوں میں بھی قدر واحترام سے دیکھی گئیں جو عقیدہ ونظریہ کی بنیاد پر ترقی پسندانہ رویوں سے متفق نہیں تھے، احتشام حسین کی شرافت طبع وقلم کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے اپنے دور کی تنقید کو بے مہار اور بے لگام ہونے سے بڑی حد تک محفوظ رکھا، اصلاً وہ اپنے افکار میں ایمان دار تھے، اصول و نظریات پر ان کے مباحث، وسیع مطالعہ اور اس سے زیادہ وسیع غور وفکر کا نتیجہ ہیں، ان کی تنقید پر تحقیق کا رنگ ہمیشہ غالب رہا، آج بھی اسلوب ومعنویت کے لحاظ سے ان کی تحریریں زندہ ہیں، یہ احساس درست ہے کہ "آج احتشام حسین کی تنقیدی روایت کی تفہیم وترغیب عام کرنے کی ضرورت ہے" خوشی کی بات ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی نے اس ضرورت کے پیش نظر ایک اہم علمی مذاکرہ کا اہتمام کیا، زیر نظر مجموعہ مضامین انہی مذاکرے کے مقالات کا عمدہ انتخاب ہے جو محض احتشام صاحب کے نظریات سے ہی بحث نہیں کرتا ضمناً اس میں اردو تنقید کے موجودہ مسایل کے حل کے لیے خاصا سامان ہے۔

سوانح مولانا محمد یونسؒ: از جناب مفتی محمد شاکر خاں قاسمی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ وکتابت و طباعت، مجلد، صفحات ۵۴۴، قیمت: ۱۳۰ روپے، پتہ: مولانا ابرار صاحب، ۱۰۵۰- روی وار پیٹھ، مدار چھلہ مسجد، پونے نمبر۲، مہاراشٹر۔

پونے کے مولانا محمد یونس بہ ظاہر مشہور شخصیت نہیں لیکن تبلیغی جماعت سے وابستگی اور شب و

روز کی دینی محنت نے حلقۂ تبلیغ خصوصاً مہاراشٹر میں ان کو غیر معمولی مقبولیت سے نوازا تھا، اس کتاب میں ان کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اخلاص وللّٰہیت، دعوت وعزیمت اور صبر و استقامت جیسی خوبیوں میں وہ سلف صالحین کا نمونہ تھے، وہ بہترین خطیب تھے، علم وشعر وسخن سے بھی ان کو حظ وافر ملا تھا، دعوت وتبلیغ کی جد وجہد ان کا اصل سرمایہ تھی، زیر نظر کتاب میں مصنف نے بڑے پر اثر طریقے سے ان کی قابل رشک زندگی اور افعال واقوال کا مرقع پیش کردیا ہے، بیان اور اسلوب بھی بڑا دل کش ہے، کتاب کی خوبی یہی ہے کہ ایک اہل اللہ کی ایسی مثالی زندگی سامنے آئی جو اب تک اکثر لوگوں کی نظر سے اوجھل تھی۔

ملفوظات ومکتوبات قدسی: از حضرت خواجہ قدسی شاہ چشتی قادری، متوسط تقطیع، کاغذ وکتابت وطباعت مناسب، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۵۴، قیمت: ۷۰ روپے، پتہ: حضرت خواجہ قدسی شاہ، ۳۹/۱، عزیزیہ گلی، پرنام بٹ، تامل ناڈ۔

جنوبی ہند کی صوفی پرور اور تصوف نواز سرزمین کے ایک بزرگ خواجہ قدسی شاہ چشتی ہیں جن کو ان کے نیاز کیش خواجہ راستین ملقب بہ رحمت للعلمین اور نائب قطب دو عالم کا درجہ دیتے ہیں، زیر نظر کتاب ان کے چند مکتوبات وملفوظات پر مشتمل ہے جن میں فنائے انا، خوف ورجا، نزول وعروج، توکل، سلوک، ذاتی وصفاتی مرید، علت قابلی وفاعلی وغیرہ اسرار تصوف کی پردہ کشائی کی گئی ہے، مثلاً اس کے کچھ جلوے یہ ہیں: جب بشر کی ذات کلی طور پر ذات الٰہی میں فنا ہوتی ہے تو انا الحق یا سبحان ما اعظم شانی کا نعرہ بشر کا نہیں، حق کا ہوتا ہے، سالک جب باطن کے اونچے منازل میں قدم رکھتا ہے تو اس کی چشم باطن اتنی روشن ہوجاتی ہے کہ وہ غیب کے کارخانے کا واضح طور پر معائنہ کرتی ہے اور یہ کہ تزکیہ نفس، سیر ملکوت، مشاہدہ جمال الٰہی اور تخلیہ سر کے چار درجے طے ہونے کے بعد سلوک مکمل ہوجاتا ہے اور انسان کے بشری نقایص ختم ہوجاتے ہیں، یہ بھی کہ قرآنی وسیلہ کی تفسیر فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا اور وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ سے ہوتی ہے اور یہ خبیر عارف صوفی ہی ہے، ان رموز کے علاوہ ان مکتوبات میں اور دل چسپ باتیں بھی ہیں مثلاً دیوبند کے مسلک کی بنیاد میں مقابلے اور رد عمل کے مزاج کا سلبی پہلو ہے، ایک جگہ یہ نکتہ بھی ہے کہ دیوبند کے مسلک میں مباحات اور وصول حق پس منظر میں چلے گئے حالاں کہ خود شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی میں بریلویت

کی جھلکیاں نظر آتی ہیں کہ اس کے بغیر چارہ بھی نہیں، مباحات سے شاہ قدسی کا مقصود مروجہ بدعات ہیں، دلیل یہ ہے کہ جن اعمال بدعت کا ثبوت سلف میں نہیں تو یہ عدم ثبوت ان کی نفی کے لیے استدلال نہیں بن سکتا، کیوں کہ یہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کے خلاف ہے وہ حلقۂ ذکر اور اس میں عورتوں کی شمولیت کے اسی لیے مخالف نہیں، ان کا یہ قول بھی ہے کہ فقہی مسلک کی بنیاد غیر مسلکوں کے رد پر قائم ہے، البتہ طرق تصوف ایک دوسرے کے مددگار ہیں، فقہ میں تحقیق آدمی کو مقلد بناتی ہے اور تصوف والا تقلید میں تقلید اس کو محقق بنا دیتی ہے، ملفوظات میں بھی اسی قسم کے افکار عالیہ کا اجتماع ہے، ذکر، فکر، تلاوت اور صحبت شیخ میں ان کے نزدیک سب سے بہترین راستہ صحبت شیخ کا ہے کیوں کہ اس سے بقیہ تینوں راستوں کا بھی فایدہ حاصل ہوتا ہے، عالم تصوف کے لیے یہ مسایل نئے نہیں لیکن موجودہ دور کے عارفوں کے ہاں اب ان کی تکرار کم ملتی ہے، ایسے میں یہ مجموعہ جدت کی لذت کے ساتھ بادۂ تصوف کے متوالوں کو ہوش وخرد کی از سر نو دعوت ومہلت دیتا نظر آتا ہے۔

اردو شاعری میں نئے تجربے: از جناب علیم صبا نویدی مرتبہ ڈاکٹر جاوید حبیب، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۹۶، قیمت: ۵۰۰ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ممبئی، علی گڑھ اور تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، ۲۶، امیر النساء بیگم اسٹریٹ، چنئی ۶۰۰۰۰۲۔

جناب علیم صبا نویدی ان بسیار نویسوں میں ہیں جن کا قلم ادب کی ہر وادی میں بے تکان سرگرم سفر رہتا ہے، ان کی کتابوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا جاتا ہے، ان کی لایق صاحب زادی نے بھی ان کی تحریروں کے کئی مجموعے شایع کیے جن میں زیر نظر کتاب بھی ہے، اس میں اردو شاعری کے بعض جدید ہیئتی تجربات مثلاً سانیٹ، ترائیلے، ہائیکو، ماہیا، تروینی، کہہ مکرنی اور دوہے وغیرہ کا تعارف وانتخاب ہے، بعض ہیئتوں جیسے تنکا، رینکا، نظمانے، غزنم، موشح نما غزل، ایک سطری اور چند سطری نثری نظم، دوہکا وغیرہ کا نام بھی کم لوگوں کو معلوم ہے، لایق مصنف نے ان سب کی تعریف اور ماہیت اور شاعر وشعر کی تفصیل بیان کردی ہے، تنکا اور رینکا کے متعلق لکھا کہ یہ جاپانی شعری ہیئتیں ہیں، رینکا میں ۳۱ صوتی اوقاف ہیں جو پانچ مصرعوں میں کھپائے جاسکتے ہیں، رینکا دو شاعر مل کر کہتے ہیں، کتاب واقعی معلومات افزا ہے، اردو شاعری کے نئے آفاق وابعاد کے تعارف میں اس کی افادیت ظاہر ہے، لیکن قیمت بہت زیادہ ہے۔ ع۔ص